بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تراویح کے اہم مسائل

نمازِ تراویح سے متعلق چند بنیادی اور اہم مسائل

موجودہ لاک ڈاؤن (Lockdown) کے حالات میں

چند مجبوری والی صورتوں کا حکم

مؤلف ومرتب

مفتی محمد رضوان خان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

www.idaraghufran.org

نام کتاب: تراویح کے اہم مسائل

مصنِّف: مفتی محمد رضوان خان

صفحات:

طباعتِ اول:

ملنے کے پتے

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(من جانبِ مؤلف)

اس وقت دنیا بھر میں مخصوص کرونا وائرس کی وجہ سے جو صورتِ حال ہے، وہ سب کو معلوم ہے، دنیا بھر کے بیشتر ممالک میں مخصوص اجتماعات اور لوگوں کے اختلاط پر پابندی ہے، کئی مسلمانوں کے ممالک میں تو مساجد بھی بند ہیں، اور لوگ گھروں پر پنج گانہ نمازیں اداء کر رہے ہیں، اور نمازِ تراویح کو بھی گھروں میں رہ کر پڑھنے کی تلقین کی جارہی ہے۔

ماہرین کی بھی رائے یہی ہے کہ موجودہ حالات میں گھروں سے باہر نکلنے اور ملنے جلنے اور ایک دوسرے کے ساتھ قربت واختلاط سے حتی الامکان اجتناب کیا جائے۔

ہم اس سلسلہ میں ماہرینِ فن کی آراء کو اہمیت کی نظر سے دیکھتے ہیں، اور ان کے تناظر میں فقہائے کرام کی بیان کردہ سہولیات سے فائدہ اُٹھانے کی طرف رُجحان رکھتے ہیں، جس کے دلائل ہم نے اپنے موقع پر ذکر کردیے ہیں۔

فی الحال موجودہ حالات میں تراویح سے متعلق اہم مسائل نقل کیے جارہے ہیں، اور ان میں سے کئی مسائل فقہی دلائل کے تناظر میں تفصیل طلب ہیں، لیکن فی الحال تفصیلات سے اجتناب کرتے ہوئے مختصر تحریر پر اکتفاء کیا جارہا ہے۔

اگر کسی صاحبِ علم کو ہمارے کسی مسئلہ میں بیان کردہ موقف سے اختلاف ہو، تو معروف قول سے عدول کی وجہ سے بجا ہوسکتا ہے، لیکن ہم نے جن دلائل اور حالات میں خاص موقف اختیار کیا ہے، اس پر ہمارا شرح صدر ہے۔

علمی وتحقیقی اعتبار سے کلام کی گنجائش کے لے ہر ایک کے لیے راستے کھلے ہوئے ہیں، جس میں بوقتِ فُرصت وضرورت ہمیں بھی حصہ دار بننے میں ان شاء اللہ تعالیٰ کوئی عذر نہ ہوگا۔ فقط

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ .

محمد رضوان خان 19 / شعبان المعظم/ 1441ھ 13 / اپریل/ 2020 بروز پیر

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تراویح کے اہم مسائل

’’تراویح‘‘ کا مطلب

’’تراویح‘‘ عربی زبان کا لفظ ہے، جو ’’ترویحة‘‘ کی جمع ہے۔

اورعرف میں تراویح سے مراد وہ نماز ہے، جو ماہِ رمضان میں عشاء کی نماز کے بعد، پڑھی جاتی ہے۔ [1]

’’احیاءُ اللیل‘‘ اور ’’تہجد‘‘ کا مطلب

’’تراویح‘‘ کے مقابلے میں عام دنوں کی راتوں میں کی جانے والی نفلی عبادت کو عربی زبان میں ’’احیاءُ اللیل‘‘ اور ’’تہجد‘‘ کہا جاتا ہے۔ [2]

---

[1] والتراويح :جمع ترويحة، أى ترويحة للنفس، أى استراحة، من الراحة وهى زوال المشقة والتعب، والترويحة فى الأصل اسم للجلسة مطلقة، وسميت الجلسة التى بعد أربع ركعات فى ليالى رمضان بالترويحة للاستراحة، ثم سميت كل أربع ركعات ترويحة مجازا، وسميت هذه الصلاة بالتراويح؛ لأنهم كانوا يطيلون القيام فيها ويجلسون بعد كل أربع ركعات للاستراحة .

وصلاة التراويح :هى قيام شهر رمضان، مثنى مثنى، على اختلاف بين الفقهاء فى عدد ركعاتها، وفى غير ذلک من مسائلها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧،ص١٣٥ ،مادة’’صلاة التراويح‘‘)

[2] الألفاظ ذات الصلة:

أ -إحياء الليل:

إحياء الليل، ويطلق عليه بعض الفقهاء أيضا قيام الليل، هو :إمضاء الليل، أو أكثره فى العبادة كالصلاة والذكر وقراء ة القرآن الكريم، ونحو ذلک.

(ر :إحياء الليل).

وإحياء الليل :يكون فى كل ليلة من ليالى العام، ويكون بأى من العبادات المذكورة أو نحوها وليس بخصوص الصلاة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

''تطوع'' اور ''وتر'' کا مطلب

اور عربی زبان میں ''تـــطـــوع'' کا لفظ، شریعت وفقہ کی خاص اصطلاحی زبان میں فرض اور واجب نمازوں وغیرہ سے زائد نمازوں وغیرہ کو کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ اللہ کی فرض کردہ عبادات سے زائد ہوتی ہیں۔

اور ''تراویح'' کے مقابلے میں ''وتر'' سے وہ خاص نماز مراد ہے، جو سال بھر عشاء کے فرضوں کے بعد پڑھی جاتی ہے ''وتر'' کے معنیٰ ''طاق'' کے آتے ہیں، اور ''وتر'' کی نماز، چونکہ ''جفت'' کے بجائے ''طاق'' ہوتی ہے، یعنی تین رکعتیں ہوتی ہیں، اور بعض فقہاء کے نزدیک ایک اور پانچ اور سات رکعتیں بھی ہوتی ہیں، اس لیے اس نماز کو ''وتر کی نماز'' کہا جاتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أما صلاة التراويح فتكون فی ليالی رمضان خاصة.

ب -التهجد:

التهجد فی اللغة :مـن الهـجود، ويطلق الهجود على النوم وعلى السهر، يقال :هجد إذا نام بالليل، ويقال أيضا هجد :إذا صلى الليل، فهو من الأضداد، ويقال :تهجد إذا أزال النوم بالتكلف .

وهو فی الاصطلاح :صلاة التطوع فی الليل بعد النوم .

والتهجد -عند جمهور الفقهاء -صلاة التطوع فی الليل بعد النوم، فی أی ليلة من ليالی العام.

أما صلاة التراويح فلا يشترط لها أن تكون بعد النوم، وهی فی ليالی رمضان خاصة.

(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧، ص ١٣٦ ،مادة"صلاة التراويح")

[1] ج -التطوع:

التطوع هو :مـا شرع زيادة على الفرائض والواجبات من الصلاة وغيرها، وسمی بذلک؛ لأنه زائد عـلـى مـا فـرضه الله تعالى، وصلاة التطوع أو النافلة تنقسم إلى نفل مقيد ومنه صلاة التراويح، وإلى نفل مطلق أی غير مقيد بوقت .

وللتفصيل ينظر مصطلح :(تطوع)

د -الوتر:

الـوتر هو :الـصـلاة الـمـخـصـوصة بـعـد فـريضة العشاء ، سميت بذلک لأن عدد ركعاتها وتر لا شفع(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧، ص ١٣٦ ،مادة"صلاة التراويح")

”تراویح“ کا شرعی حکم اور اس کا درجہ

فقہائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رمضانُ المبارک کے مہینے میں تراویح کی نماز، سنت ہے۔

اور حنفیہ، حنابلہ اور بعض مالکیہ کے نزدیک، تراویح کی نماز سنتِ مؤکدہ ہے۔

اور تراویح کی نماز خواتین وحضرات، سب کے لیے سنت ہے، اور یہ دین کے شعار سے تعلق رکھتی ہے۔ [1]

---

[1] الحکم التكليفى:

اتفق الفقهاء على سنية صلاة التراويح.

وهى عند الحنفية والحنابلة وبعض المالكية سنة مؤكدة، وهى سنة للرجال والنساء ،وهى من أعلام الدين الظاهرة .

وقد سن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاة التراويح ورغب فيها، فقال صلى الله عليه وسلم :إن الله فرض صيام رمضان عليكم، وسننت لكم قيامه.وروى أبو هريرة - رضى الله تعالى عنه -قال :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يرغب فى قيام رمضان من غير أن يأمرهم فيه بعزيمة فيقول :من قام رمضان إيمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه.

قال الخطيب الشربينى وغيره :اتفقوا على أن صلاة التراويح هى المرادة بالحديث المذكور.

وقد صلى النبى صلى الله عليه وسلم بأصحابه صلاة التراويح فى بعض الليالى، ولم يواظب عليها، وبين العذر فى ترك المواظبة وهو خشية أن تكتب فيعجزوا عنها، فعن عائشة -رضى الله تعالى عنها -أن النبى صلى الله عليه وسلم صلى فى المسجد، فصلى بصلاته ناس، ثم صلى من القابلة فكثر الناس، ثم اجتمعوا من الثالثة فلم يخرج إليهم، فلما أصبح قال :قد رأيت الذى صنعتم، فلم يمنعنى من الخروج إليكم إلا أنى خشيت أن تفرض عليكم، وذلك فى رمضان زاد البخارى فيه: فتوفى رسول الله صلى الله عليه وسلم والأمر على ذلك .

وفى تعيين الليالى التى قامها النبى صلى الله عليه وسلم بأصحابه روى أبو ذر -رضى الله تعالى عنه -قال :صمنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم رمضان فلم يقم بنا شيئا من الشهر حتى بقى سبع، فقام بنا حتى ذهب ثلث الليل، فلما كانت السادسة لم يقم بنا، فلما كانت الخامسة قام بنا حتى ذهب شطر الليل، فقلت :يا رسول الله لو نفلتنا قيام

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

شافعیہ کے نزدیک بھی تراویح سنت ہے، لیکن اُن کے نزدیک اس کا درجہ جماعت کے ساتھ پڑھی جانے والی دیگر مؤکدہ سنت نمازوں اور فرض نمازوں کے ساتھ پڑھی جانے والی سنتوں سے کم ہے، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

هذه الليلة؟ قال :فقال :إن الرجل إذا صلى مع الإمام حتى ينصرف حسب له قيام ليلة قال :فلما كانت الرابعة لم يقم، فلما كانت الثالثة جمع أهله ونساء ه والناس فقام بنا حتى خشينا أن يفوتنا الفلاح قال :قلت :وما الفلاح؟ قال :السحور، ثم لم يقم بنا بقية الشهر .

وعن النعمان بن بشير -رضي الله تعالى عنهما -قال :قمنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في شهر رمضان ليلة ثلاث وعشرين إلى ثلث الليل الأول، ثم قمنا معه ليلة خمس وعشرين إلى نصف الليل، ثم قمنا معه ليلة سبع وعشرين حتى ظننا أن لا ندرك الفلاح وكانوا يسمونه السحور .

وقد واظب الخلفاء الراشدون والمسلمون من زمن عمر -رضي الله تعالى عنه -على صلاة التراويح جماعة، وكان عمر -رضي الله تعالى عنه -هو الذى جمع الناس فيها على إمام واحد.

عن عبد الرحمن بن عبد القارى، قال :خرجت مع عمر بن الخطاب -رضي الله تعالى عنه -ليلة في رمضان إلى المسجد، فإذا الناس أوزاع متفرقون، يصلى الرجل لنفسه، ويصلى الرجل فيصلى بصلاته الرهط، فقال عمر :إني أرى لو جمعت هؤلاء على قارء واحد لكان أمثل، ثم عزم فجمعهم على أبى بن كعب، ثم خرجت معه ليلة أخرى والناس يصلون بصلاة قارئهم، فقال :نعمت البدعة هذه، والتى ينامون عنها أفضل من التى يقومون .يريد آخر الليل، وكان الناس يقومون أوله .

وروى أسد بن عمرو عن أبي يوسف قال :سألت أبا حنيفة عن التراويح وما فعله عمر، فقال :التراويح سنة مؤكدة، ولم يتخرص عمر من تلقاء نفسه، ولم يكن فيه مبتدعا، ولم يأمر به إلا عن أصل لديه وعهد من رسول الله صلى الله عليه وسلم ولقد سن عمر هذا وجمع الناس على أبى بن كعب فصلاها جماعة والصحابة متوافرون من المهاجرين والأنصار وما رد عليه واحد منهم، بل ساعدوه ووافقوه وأمروا بذلك(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷، ص۱۳۷ و ۱۳۸ ،مادة"صلاة التراويح")

[1] أما حكم المسألة فصلاة التراويح سنة بإجماع العلماء ومذهبنا أنها عشرون ركعة بعشر تسليمات وتجوز منفردا وجماعة وأيهما أفضل فيه وجهان مشهوران كما ذكر المصنف وحكاهما جماعة قولين (الصحيح) باتفاق الأصحاب أن الجماعة أفضل وهو المنصوص في البويطى وبه قال أكثر أصحابنا المتقدمين (والثانى) الانفراد أفضل وقد ذكر المصنف دليلهما قال أصحابنا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مالکیہ کے نزدیک نفل اور تطوع نمازوں میں، تراویح کی زیادہ تاکید ہے۔

اور شافعیہ کے نزدیک تطوع اور نفل نمازوں کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ کہ جن کو جماعت سے پڑھنا سنت ہے، اور جماعت سے پڑھی جانے والی سنت نمازوں کی فضیلت ان کے نزدیک، ان نفل وتطوع نمازوں سے زیادہ ہے، جن کو جماعت کے ساتھ پڑھنا سنت نہیں۔

پھر جماعت کے ساتھ پڑھی جانے والی نمازوں میں ان کے نزدیک سب سے افضل نماز عیدین کی ہے، پھر سورج گرہن کی نماز ہے، پھر چاند گرہن کی نماز ہے، پھر استسقاء کی نماز ہے، اور پھر تراویح کی نماز ہے۔

اور شافعیہ کے نزدیک جو سنت نمازیں، فرائض کے تابع ہیں، جیسا کہ فجر، اور ظہر اور مغرب اور عشاء وغیرہ کی سنتیں، وہ ''تراویح'' سے افضل ہیں، اگرچہ ''تراویح'' کی جماعت سنت کیوں نہ ہو۔

اور حنابلہ کے نزدیک نفل نمازوں میں زیادہ فضیلت والی نمازیں وہ ہیں، جن کو جماعت کے ساتھ پڑھنا سنت ہے، پھر سنتِ مؤکدہ کا درجہ ہے، اور جن نمازوں کو جماعت کے ساتھ پڑھنے کے سنت ہونے کی تاکید ہے، وہ سورج گرہن اور استسقاء، اور اس کے بعد ''تراویح'' کی نماز ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

العراقيون والصيدلاني والبغوى وغيرهما من الخراسانيين الخلاف فيمن يحفظ القرآن ولا يخاف الكسل عنها لو انفرد ولا تختل الجماعة فى المسجد بتخلفه فإن فقد أحد هذه الأمور فالجماعة أفضل بلا خلاف وأطلق جماعة فى المسألة ثلاثة أوجه ثالثها هذا الفرق.

وممن حكى الأوجه الثلاثة القاضى أبو الطيب فى تعليقه وإمام الحرمين والغزالى قال صاحب الشامل قال أبو العباس وأبو إسحق صلاة التراويح جماعة أفضل من الانفراد لإجماع الصحابة وإجماع أهل الأمصار على ذلك(المجموع شرح المهذب، ج۴،ص ۳۲،باب صلاة التطوع)

[1] فضل صلاة التراويح:

بين الفقهاء منزلة التراويح بين نوافل الصلاة.

قال المالكية :التراويح من النوافل المؤكدة، حيث قالوا :وتأكد تراويح، وهو قيام رمضان .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

''تراویح'' کی نماز اور اس کی جماعت کی مشروعیت

''تراویح'' کی نماز، اور اس کو جماعت کے ساتھ پڑھنا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، لیکن اس کو ایک خاص وجہ سے، باجماعت پڑھنا مستقل معمول کے طور پر ثابت نہیں۔

البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ''تراویح'' کی نماز باجماعت اداء کرنے کا خاص اہتمام شروع ہوا، جس وقت کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی بڑی تعداد موجود تھی، اور انہوں نے اس پر اتفاق کیا، اور کسی نے اس عمل پر نکیر نہیں فرمائی، جس کی وجہ سے اس کو ہمیشہ اور باجماعت پڑھنے پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اتفاق ہوگیا، اور اس کے بعد سے لے کر آج تک دنیا بھر میں تمام مسلمانوں کا رمضانُ المبارک کی بابرکت راتوں میں اس پر عمل اور اس کا اہتمام جاری ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال الشافعية :التطوع قسمان :قسم تسن له الجماعة وهو أفضل مما لا تسن له الجماعة لتأكده بسنها له، وله مراتب:

فأفضله العيدان ثم الكسوف للشمس، ثم الخسوف للقمر، ثم الاستسقاء ، ثم التراويح . . .وقالوا: الأصح أن الرواتب وهي التابعة للفرائض أفضل من التراويح وإن سن لها الجماعة؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم واظب على الرواتب دون التراويح.

قال شمس الدين الرملي :والمراد تفضيل الجنس على الجنس من غير نظر لعدد .

وقال الحنابلة :أفضل صلاة تطوع ما سن أن يصلى جماعة؛ لأنه أشبه بالفرائض ثم الرواتب، وآكد ما يسن جماعة :كسوف فاستسقاء فتراويح(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷، ص ۱۳۹، مادة''صلاة التراويح'')

[1] تاريخ مشروعية صلاة التراويح والجماعة فيها:

روى الشيخان عن عائشة -رضي الله تعالى عنها :-أن النبي صلى الله عليه وسلم خرج من جوف الليل ليالي من رمضان وصلى في المسجد، وصلى الناس بصلاته، وتكاثروا فلم يخرج إليهم في الرابعة، وقال لهم :خشيت أن تفرض عليكم فتعجزوا عنها .

قال القليوبي :هذا يشعر أن صلاة التراويح لم تشرع إلا في آخر سني الهجرة لأنه لم يرد أنه صلاها مرة ثانية ولا وقع عنها سؤال .

وجمع عمر بن الخطاب -رضي الله تعالى عنه -الناس في التراويح على إمام واحد في السنة الرابعة عشرة من الهجرة، لنحو سنتين خلتا من خلافته، وفي رمضان الثاني من خلافته (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷،ص ۱۳۹ ،مادة''صلاة التراويح'')

’’تراویح‘‘ کے لیے اذان کا حکم

فقہائے کرام کے نزدیک تراویح کی نماز کے لیے اذان واقامت سنت نہیں۔

البتہ شافعیہ کے نزدیک تراویح کے لیے بوقتِ ضرورت ’’الصلاۃ جامعۃ ‘‘ وغیرہ الفاظ کے ساتھ اعلان کرنا بہتر ہے۔ [1]

’’تراویح‘‘ کی نیت

شافعیہ اور حنابلہ اور بعض حنفیہ کے نزدیک ’’تراویح‘‘ کے لیے نیت میں تعیین ضروری ہے، اور ان کے نزدیک مطلق اور عام نیت سے تراویح درست نہیں ہوتی، بلکہ ان کے نزدیک تراویح یا قیامِ رمضان کی نیت سے ہی تراویح اداء ہوتی ہے۔

البتہ اکثر حنفیہ کے نزدیک تراویح اور تمام سنتیں مطلق نیت سے اداء ہوجاتی ہیں۔

لیکن یہ یاد رہے کہ نیت، دل کے ارادہ کا نام ہے، نیت کے لیے زبان سے الفاظ اداء

---

[1] النداء لصلاة التراويح:

ذهب الفقهاء إلى أنه لا أذان ولا إقامة لغير الصلوات المفروضة، لما ثبت أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أذن للصلوات الخمس والجمعة دون ما سواها من الوتر، والعيدين، والكسوف، والخسوف، والاستسقاء ، وصلاة الجنازة، والسنن والنوافل.

وقال الشافعية :ينادى لجماعة غير الصلوات المفروضة :الصلاة جامعة، ونقل النووى عن الشافعي قوله :لا أذان ولا إقامة لغير المكتوبة، فأما الأعياد والكسوف وقيام شهر رمضان فأحب أن يقال :الصلاة جامعة.

واستدلوا بما روى الشيخان أنه لما كسفت الشمس على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم نودى :إن الصلاة جامعة وقيس بالكسوف غيره مما تشرع فيه الجماعة ومنها التراويح.

وكالصلاة جامعة :الصلاة الصلاة، أو هلموا إلى الصلاة، أو الصلاة رحمكم الله، أو حى على الصلاة خلافا لبعضهم.

وذهب الحنابلة إلى أنه لا ينادى على التراويح "الصلاة جامعة "لأنه محدث(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧،ص ١٤٠، مادة"صلاة التراويح")

کرنا ضروری نہیں۔ [1]

’’تراویح‘‘ کی تعداد

جمہور فقہائے کرام اور جمہور امت کے نزدیک تراویح کی بیس رکعات ہیں۔

اکثر خلفائے راشدین اور جمہور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی بیس رکعات تراویح کا پڑھنا صاف طور پر ثابت ہے۔

اور مالکیہ کے نزدیک بھی تراویح کی 20 یا 36 رکعتیں ہیں، دونوں کے پڑھنے کی گنجائش ہے۔

اور حنابلہ کے نزدیک 20 رکعات سے زیادہ، پڑھنے میں حرج نہیں۔

جبکہ علامہ ابنِ تیمیہ کا قول یہ ہے کہ اگر عذر نہ ہو، تو عام حالات میں 20 رکعات پڑھنا افضل ہے، اور حسبِ قدرت اس تعداد میں کمی وزیادتی کی بھی گنجائش ہے، ان کے نزدیک ان میں

---

[1] تعيين النية فى صلاة التراويح:

ذهب الشافعية وبعض الحنفية، وهو المذهب عند الحنابلة إلى اشتراط تعيين النية فى التراويح، فلا تصح التراويح بنية مطلقة، بل ينوى صلاة ركعتين من قيام رمضان أو من التراويح لحديث :إنما الأعمال بالنيات وليتميز إحرامه بهما عن غيره.

وعلل الحنفية القائلون بذلك قولهم بأن التراويح سنة، والسنة عندهم لا تتأدى بنية مطلق الصلاة أو نية التطوع، واستدلوا بما روى الحسن عن أبى حنيفة أنه :لا تتأدى ركعتا الفجر إلا بنية السنة.

لكنهم اختلفوا فى تجديد النية لكل ركعتين من التراويح، قال ابن عابدين فى الخلاصة :الصحيح نعم؛ لأنه صلاة على حدة، وفى الخانية :الأصح لا، فإن الكل بمنزلة صلاة واحدة، ثم قال ويظهر لى (ترجيح) التصحيح الأول؛ لأنه بالسلام خرج من الصلاة حقيقة، فلا بد من دخوله فيها بالنية، ولا شك أنه الأحوط خروجا من الخلاف.

وقال عامة مشايخ الحنفية :إن التراويح وسائر السنن تتأدى بنية مطلقة؛ لأنها وإن كانت سنة لا تخرج عن كونها نافلة، والنوافل تتأدى بمطلق النية، إلا أن الاحتياط أن ينوى التراويح أو سنة الوقت أو قيام رمضان احترازا عن موضع الخلاف.

وذهب الحنابلة إلى أنه يندب فى كل ركعتين من التراويح أن ينوى فيقول سرا: أصلى ركعتين من التراويح المسنونة أو من قيام رمضان(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧،ص ١٤٠،مادة’’صلاة التراويح‘‘)

سے کوئی عمل قابلِ نکیر وملامت نہیں۔ ۱؎

۱؎ عدد ركعات التراويح:
قال السيوطى :الذى وردت به الأحاديث الصحيحة والحسان الأمر بقيام رمضان والترغيب فيه من غير تخصيص بعدد، ولم يثبت أن النبى صلى الله عليه وسلم صلى التراويح عشرين ركعة، وإنما صلى ليالى صلاة لم يذكر عددها، ثم تأخر فى الليلة الرابعة خشية أن تفرض عليهم فيعجزوا عنها .
وقال ابن حجر الهيثمى :لم يصح أن النبى صلى الله عليه وسلم صلى التراويح عشرين ركعة، وما ورد أنه كان يصلى عشرين ركعة فهو شديد الضعف .
واختلفت الرواية فيما كان يصلى به فى رمضان فى زمان عمر بن الخطاب -رضى الله تعالى عنه :-
فذهب جمهور الفقهاء -من الحنفية، والشافعية، والحنابلة، وبعض المالكية -إلى أن التراويح عشرون ركعة، لما رواه مالك عن يزيد بن رومان والبيهقى عن السائب بن يزيد من قيام الناس فى زمان عمر -رضى الله تعالى عنه -بعشرين ركعة، وجمع عمر الناس على هذا العدد من الركعات جمعا مستمرا، قال الكاسانى :جمع عمر أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فى شهر رمضان على أبى بن كعب -رضى الله تعالى عنه -فصلى بهم عشرين ركعة، ولم ينكر عليه أحد فيكون إجماعا منهم على ذلك .
وقال الدسوقى وغيره :كان عليه عمل الصحابة والتابعين .
وقال ابن عابدين :عليه عمل الناس شرقا وغربا .
وقال على السنهورى :هو الذى عليه عمل الناس واستمر إلى زماننا فى سائر الأمصار .
وقال الحنابلة :وهذا فى مظنة الشهرة بحضرة الصحابة فكان إجماعا والنصوص فى ذلك كثيرة.
وروى مالك عن السائب بن يزيد قال :أمر عمر بن الخطاب أبى بن كعب وتميما الدارى أن يقوما للناس بإحدى عشرة ركعة، قال :وقد كان القارء يقرأ بالمئين، حتى كنا نعتمد على العصى من طول القيام، وما كنا ننصرف إلا فى فروع الفجر .
وروى مالك عن يزيد بن رومان أنه قال :كان الناس يقومون فى زمان عمر بن الخطاب فى رمضان بثلاث وعشرين ركعة، قال البيهقى والباجى وغيرهما :أى بعشرين ركعة غير الوتر ثلاث ركعات ، ويؤيده ما رواه البيهقى وغيره عن السائب بن يزيد -رضى الله تعالى عنه -قال : كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب -رضى الله عنه فى شهر رمضان بعشرين ركعة .
قال الباجى :يحتمل أن يكون عمر أمرهم بإحدى عشرة ركعة، وأمرهم مع ذلك بطول القراء ة، يقرأ القارء بالمئين فى الركعة؛ لأن التطويل فى القراء ة أفضل الصلاة، فلما ضعف الناس عن ذلك أمرهم بثلاث وعشرين ركعة على وجه التخفيف عنهم من طول القيام، واستدرك بعض الفضيلة بزيادة الركعات .
وقال العدوى :الإحدى عشرة كانت مبدأ الأمر، ثم انتقل إلى العشرين .وقال ابن حبيب :رجع عمر إلى ثلاث وعشرين ركعة .
وخالف الكمال بن الهمام مشايخ الحنفية القائلين بأن العشرين سنة فى التراويح فقال :قيام رمضان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورحنفیہ میں سے علامہ ابنِ ہمام کی رائے یہ ہے کہ بیس رکعات تراویح مستحب ہے، اور

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

سنة إحدى عشرة ركعة بالوتر في جماعة، فعله النبي صلى الله عليه وسلم ثم تركه لعذر، أفاد أنه لولا خشية فرضه عليهم لواظب بهم، ولا شك في تحقق الأمن من ذلك بوفاته صلى الله عليه وسلم فيكون سنة، وكونها عشرين سنة الخلفاء الراشدين، وقوله صلى الله عليه وسلم :عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين ندب إلى سنتهم، ولا يستلزم كون ذلك سنته؛ إذ سنته بمواظبته بنفسه أو إلا لعذر، وبتقدير عدم ذلك العذر كان يواظب على ما وقع منه، فتكون العشرون مستحبا، وذلك القدر منها هو السنة، كالأربع بعد العشاء مستحبة وركعتان منها هي السنة، وظاهر كلام المشايخ أن السنة عشرون، ومقتضى الدليل ما قلنا فيكون هو المسنون، أي فيكون المسنون منها ثماني ركعات والباقي مستحبا .

وقال المالكية :القيام في رمضان بعشرين ركعة أو بست وثلاثين واسع أي جائز، فقد كان السلف من الصحابة -رضوان الله عليهم -يقومون في رمضان في زمن عمر بن الخطاب -رضي الله تعالى عنه -في المساجد بعشرين ركعة، ثم يوترون بثلاث، ثم صلوا في زمن عمر بن عبد العزيز ستا وثلاثين ركعة غير الشفع والوتر.

قال المالكية :وهو اختيار مالك في المدونة، قال :هو الذي لم يزل عليه عمل الناس أي بالمدينة بعد عمر بن الخطاب،وقالوا :كره مالك نقصها عما جعلت بالمدينة.

وعن مالك -أي في غير المدونة -قال :الذي يأخذ بنفسي في ذلك الذي جمع عمر عليه الناس، إحدى عشرة ركعة منها الوتر، وهي صلاة النبي صلى الله عليه وسلم وفي المذهب أقوال وترجيحات أخرى .

وقال الشافعية :ولأهل المدينة فعلها ستا وثلاثين؛ لأن العشرين خمس ترويحات، وكان أهل مكة يطوفون بين كل ترويحتين سبعة أشواط، فحمل أهل المدينة بدل كل أسبوع ترويحة ليساووهم، قال الشيخان :ولا يجوز ذلك لغيرهم . .وهو الأصح كما قال الرملي لأن لأهل المدينة شرفا بهجرته صلى الله عليه وسلم ومدفنه، وخالف الحليمي فقال :ومن اقتدى بأهل المدينة فقام بست وثلاثين فحسن أيضا.

وقال الحنابلة :لا ينقص من العشرين ركعة، ولا بأس بالزيادة عليها نصا، قال عبد الله بن أحمد : رأيت أبي يصلي في رمضان ما لا أحصي، وكان عبد الرحمن بن الأسود يقوم بأربعين ركعة ويوتر بعدها بسبع

قال ابن تيمية :والأفضل يختلف باختلاف أحوال المصلين، فإن كان فيهم احتمال لطول القيام، فالقيام بعشر ركعات وثلاث بعدها، كما كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي لنفسه في رمضان وغيره هو الأفضل .وإن كانوا لا يحتملونه فالقيام بعشرين هو الأفضل .وهو الذي يعمل به أكثر المسلمين، فإنه وسط بين العشر وبين الأربعين، وإن قام بأربعين وغيرها جاز ذلك ولا يكره شيء من ذلك .وقد نص على ذلك غير واحد من الأئمة كأحمد وغيره .قال :ومن ظن أن قيام رمضان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

وتروں سمیت گیارہ رکعت پڑھنا سنت سے ثابت ہے۔ [1]

لیکن مشائخِ حنفیہ نے دلائل کی رُو سے علامہ ابنِ ہمام کی اس بات کو قبول نہیں کیا، اور انہوں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فیه عدد موقت عن النبی صلی الله علیه وسلم لا یزاد فیه ولا ینقص منه فقد أخطأ(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۷،ص ۱۴۱،الیٰ ۱۴۳،مادة"صلاة التراویح")

نفس قیام رمضان لم یوقت النبی صلی الله علیه وسلم فیه عددا معینا ؛ بل کان هو -صلی الله علیه وسلم -لا یزید فی رمضان ولا غیره علی ثلاث عشرة رکعة لکن کان یطیل الرکعات فلما جمعهم عمر علی أبی بن کعب کان یصلی بهم عشرین رکعة ثم یوتر بثلاث وکان یخف القراء ة بقدر ما زاد من الرکعات لأن ذلک أخف علی المأمومین من تطویل الرکعة الواحدة ثم کان طائفة من السلف یقومون بأربعین رکعة ویوترون بثلاث وآخرون قاموا بست وثلاثین وأوتروا بثلاث .

وهذا کله سائغ فکیفما قام فی رمضان من هذه الوجوه فقد أحسن .والأفضل یختلف باختلاف أحوال المصلین فإن کان فیهم احتمال لطول القیام فالقیام بعشر رکعات وثلاث بعدها .کما کان النبی صلی الله علیه وسلم یصلی لنفسه فی رمضان وغیره هو الأفضل وإن کانوا لا یحتملونه فالقیام بعشرین هو الأفضل وهو الذی یعمل به أکثر المسلمین فإنه وسط بین العشر وبین الأربعین وإن قام بأربعین وغیرها جاز ذلک ولا یکره شیء من ذلک (مجموع الفتاوی،لابن تیمیة، ج۲۲،ص ۲۷۳،باب صفة الصلاة)

[1] وخالف الکمال بن الهمام مشایخ الحنفیة القائلین بأن العشرین سنة فی التراویح فقال :قیام رمضان سنة إحدی عشرة رکعة بالوتر فی جماعة، فعله النبی صلی الله علیه وسلم ثم ترکه لعذر، أفاد أنه لولا خشیة فرضه علیهم لواظب بهم، ولا شک فی تحقق الأمن من ذلک بوفاته صلی الله علیه وسلم فیکون سنة، وکونها عشرین سنة الخلفاء الراشدین، وقوله صلی الله علیه وسلم :علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین ندب إلی سنتهم، ولا یستلزم کون ذلک سنته؛ إذ سنته بمواظبته بنفسه أو إلا لعذر، وبتقدیر عدم ذلک العذر کان یواظب علی ما وقع منه، فتکون العشرون مستحبا، وذلک القدر منها هو السنة، کالأربع بعد العشاء مستحبة ورکعتان منها هی السنة، وظاهر کلام المشایخ أن السنة عشرون، ومقتضی الدلیل ما قلنا فیکون هو المسنون، أی فیکون المسنون منها ثمانی رکعات والباقی مستحبا(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۷ص ۱۴۲،۱۴۳، مادة "صلاةالتراویح")

فتکون العشرون مستحبا وذلک القدر منها هو السنة کالأربع بعد العشاء مستحبة ورکعتان منها هی السنة.

وظاهر کلام المشایخ أن السنة عشرون، ومقتضی الدلیل ما قلنا (فتح القدیر، ج ا ص ۴۶۸، کتاب الصلاة، باب النوافل، فصل فی قیام شهر رمضان)

نے تراویح کی بیس رکعات کو ہی سنت قرار دیا ہے۔ [1]

البتہ اگر ضرورت کی وجہ سے کبھی بیس رکعات سے کم پڑھی جائیں، اور سنت اور افضل بیس کو ہی سمجھا جائے، تو اس کی اپنی جگہ گنجائش موجود ہے۔

’’تراویح‘‘ کی چار رکعت کے بعد وقفہ کا مستحب ہونا

تراویح کی نماز میں ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر وقفہ کرنا مستحب ہے، اور یہ وقفہ حسبِ ضرورت وراحت کم وبیش کیا جاسکتا ہے۔

---

[1] (قوله وهي عشرون ركعة) هو قول الجمهور وعليه عمل الناس شرقا وغربا .وعن مالك ست وثلاثون .وذكر في الفتح أن مقتضى الدليل كون المسنون منها ثمانية والباقي مستحبا، وتمامه في البحر، وذكرت جوابه فيما علقته عليه(ردالمحتار، ج٢ ص٤٥، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل)

وقوله عشرون ركعة بيان لكميتها وهو قول الجمهور لما في الموطإ عن يزيد بن رومان قال كان الناس يقومون في زمن عمر بن الخطاب بثلاث وعشرين ركعة وعليه عمل الناس شرقا وغربا لكن ذكر المحقق في فتح القدير ما حاصله أن الدليل يقتضي أن تكون السنة من العشرين ما فعله -صلى الله عليه وسلم -منها ثم تركه خشية أن تكتب علينا والباقي مستحب وقد ثبت أن ذلك كان إحدى عشرة ركعة بالوتر كما ثبت في الصحيحين من حديث عائشة فإذن يكون المسنون على أصول مشايخنا ثمانية منها والمستحب اثنا عشر انتهى(البحرالرائق، ج٢ ص٧٢، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، صلاة التراويح)

(قوله كما ثبت في الصحيحين إلخ) أي الحديث السابق عند قول المتن والأفضل فيهما رباع وفيه ما كان يزيد في رمضان ولا غيره على إحدى عشرة ركعة قال في الفتح وأما ما روى ابن أبي شيبة في مصنفه والطبراني وعند البيهقي من حديث ابن عباس عنه -صلى الله تعالى عليه وسلم -كان يصلي في رمضان عشرين ركعة سوى الوتر فضعيف بأبي شيبة إبراهيم بن عثمان جد الإمام أبي بكر بن أبي شيبة متفق على ضعفه مع مخالفته للصحيح اهـ.

قلت :أما مخالفته للصحيح فقد يجاب عنها بأن ما في الصحيح مبني على ما هو الغالب من أحواله -صلى الله تعالى عليه وسلم -هذا كان ليلتين فقط ثم تركه -عليه الصلاة والسلام -فلذا لم تذكره عائشة -رضي الله تعالى عنها -وأما تضعيف الحديث بمن ذكر فقد يقال إنه اعتضد بما مر من نقل الإجماع على سنيتها من غير تفصيل مع قول الإمام -رحمه الله -إن ما فعله عمر -رضي الله عنه -لم يتخرجه من تلقاء نفسه ولم يكن فيه مبتدعا ولم يأمر به إلا عن أصل لديه وعهد من رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم -هـ فتأمل منصفا(منحة الخالق على البحرالرائق، ج٢ ص٧٢، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، صلاة التراويح)

اور اس وقفہ میں اختیار ہے کہ خواہ خاموش رہے، یا کوئی ذکر کرے، اور اگر کوئی یہ وقفہ نہ کرے تب بھی گناہ نہیں۔ [1]

ایک سلام سے تراویح کی چار، یا چار سے زائد رکعتیں پڑھنا

حنفیہ کے نزدیک تراویح کی بیس رکعات کو دو دو رکعات کر کے پڑھنا چاہئے کہ دو دو رکعت کی نیت کی جائے، اور ہر دوسری رکعت پر سلام پھیرا جائے، اور پھر اگلی دو رکعتیں الگ سلام کے ساتھ پڑھی جائیں، اور اس طرح بیس رکعتیں مکمل کی جائیں۔ [2]

---

[1] الاستراحة بين كل ترويحتين:
اتفق الفقهاء على مشروعية الاستراحة بعد كل أربع ركعات؛ لأنه المتوارث عن السلف، فقد كانوا يطيلون القيام فى التراويح ويجلس الإمام والمأمومون بعد كل أربع ركعات للاستراحة.
وقال الحنفية :يندب الانتظار بين كل ترويحتين، ويكون قدر ترويحة، ويشغل هذا الانتظار بالسكوت أو الصلاة فرادى أو القراء ة أو التسبيح.
وقال الحنابلة :لا بأس بترك الاستراحة بين كل ترويحتين، ولا يسن دعاء معين إذا استراح لعدم وروده(الموسوعة الفقهية الكويتية،ج٢٧،ص١٤٤،مادة"صلاة التراويح")
كلما صلى ترويحة قعد بين الترويحتين قدر ترويحة يسبح، ويهلل ويكبر، ويصلى على النبى -صلى الله عليه وسلم (بدائع الصنائع، ج ا، ص٢٩٠، كتاب الصلاة، فصل فى سنن صلاة التراويح)
(يجلس) ندبا (بين كل أربعة بقدرها وكذا بين الخامسة والوتر) ويخيرون بين تسبيح وقراء ة وسكوت وصلاة فرادى، نعم تكره صلاة ركعتين بعد كل ركعتين (الدرالمختار مع ردالمحتار، ج٢، ص٤٦، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل)
والانتظار بين كل ترويحتين مستحب فى رواية الحسن عن ابى حنيفة رحمهما الله (خلاصة الفتاوىٰ، ج ا، ص٦٣، كتاب الصلاة)

[2] ومنها أن يصلى كل ركعتين بتسليمة على حدة (بدائع الصنائع، ج ا، ص٢٨٩، كتاب الصلاة، فصل فى سنن صلاة التراويح)
وأراد بالعشرين أن تكون بعشر تسليمات كما هو المتوارث يسلم على رأس كل ركعتين (البحرالرائق، ج٢، ص٧٢، كتاب الصلاة، صلاة التراويح)
قال -رحمه الله -(وسن فى رمضان عشرون ركعة بعشر تسليمات بعد العشاء قبل الوتر وبعده بجماعة (تبيين الحقائق، ج ا، ص١٧٨، باب الوتر والنوافل)

اگر ایک سلام سے تراویح کی چار رکعتیں پڑھی جائیں، اوردوسری رکعت پر قعدہ بھی کیا جائے، تو بھی حنفیہ کے نزدیک جائز ہے۔ [1]

اوراگر کسی نے چار سے زیادہ مثلاً چھ یا آٹھ یا دس یا اس سے زیادہ رکعتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھیں، اور ہر دوسری رکعت پر قعدہ بھی کیا، تو حنفیہ کے نزدیک یہ تمام رکعتیں تراویح کے اعتبار سے معتبر ہوجائیں گی، لیکن جان بوجھ کر اور بلاعذر ایسا کرنا مناسب نہیں، بلکہ معروف ومتوارث طریقہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔ [2]

اور مالکیہ کے نزدیک، ہر دو رکعت تراویح پر سلام پھیرنا مستحب ہے، اوردو سے زیادہ رکعتیں، ایک سلام کے ساتھ پڑھنا مناسب نہیں۔

اور شافعیہ کے نزدیک تراویح کی اگر ایک سلام کے ساتھ چار، یا زیادہ رکعتیں پڑھی جائیں، تو وہ تراویح کی رکعتیں شمار نہیں ہوں گی۔

---

[1] ولو صلى ترويحة بتسليمة واحدة وقعد فى الثانية قدر التشهد، لا شك أنه يجوز على أصل أصحابنا أن صلوات كثيرة تتأدى بتحريمة واحدة بناء على أن التحريمة شرط وليست بركن عندنا خلافا للشافعى (بدائع الصنائع، ج ۱، ص ۲۸۹، كتاب الصلاة، فصل فى سنن صلاة التراويح)

[2] وفى المحيط لو صلى التراويح كلها بتسليمة واحدة وقد قعد على رأس كل ركعتين،فالأصح أنه يجوز عن الكل لأنه قد أكمل الصلاة ولم يخل بشىء من الأركان إلا أنه جمع المتفرق واستدام التحريمة فكان أولى بالجواز لأنه أشق وأتعب للبدن انتهى وظاهره أنه لا يكره وقد صرح بعدم الكراهة فى منية المصلي ولا يخفى ما فيه لمخالفته المتوارث مع تصريحهم بكراهة الزيادة على ثمان فى مطلق التطوع ليلا فلأن يكره هنا أولى فلهذا نقل العلامة الحلبى أن فى النصاب وخزانة الفتاوى الصحيح أنه لو تعمد ذلك يكره فلو لم يقعد إلا فى آخرها فقد علمت أن الصحيح أنه يجزئه عن تسليمة واحدة فيما لو صلى أربعا بتسليمة فكذلك هنا (البحر الرائق، ج ۲، ص ۷۲، كتاب الصلاة، صلاة التراويح)

(بعشر تسليمات) فلو فعلها بتسليمة؛ فإن قعد لكل شفع صحت بكراهة وإلا نابت عن شفع واحد به يفتى (الدرالمختار مع ردالمحتار)

(قوله وصحت بكراهة) أى صحت عن الكل .وتكره إن تعمد، وهذا هو الصحيح كما فى الحلية عن النصاب وخزانة الفتاوى، خلافا لما فى المنية من عدم الكراهة، فإنه لا يخفى ما فيه لمخالفته المتوارث مع تصريحهم بكراهة الزيادة على ثمان فى مطلق التطوع ليلا فهنا أولى بحر (ردالمحتار، ج ۲، ص ۴۵، باب الوتر والنوافل)

”ولم نجد للحنابلة كلاما فى هذه المسألة“ [1]

بلاعذر بیٹھ کر تراویح پڑھنے کا حکم

کئی احادیث میں سنت ونفل نماز کو بلاعذر بیٹھ کر پڑھنے میں آدھے ثواب کا ذکر آیا ہے۔ [2]

---

[1] التسليم فى صلاة التراويح:
ذهب الفقهاء إلى أن من يصلى التراويح يسلم من كل ركعتين؛ لأن التراويح من صلاة الليل فتكون مثنى مثنى، لحديث :صلاة الليل مثنى مثنى ولأن التراويح تؤدى بجماعة فيراعى فيها التيسير بالقطع بالتسليم على رأس الركعتين لأن ما كان أدوم تحريمة كان أشق على الناس .
واختلفوا فيمن صلى التراويح ولم يسلم من كل ركعتين:
فقال الحنفية :لو صلى التراويح كلها بتسليمة وقعد فى كل ركعتين فالصحيح أنه تصح صلاته عن الكل؛ لأنه قد أتى بجميع أركان الصلاة وشرائطها؛ لأن تجديد التحريمة لكل ركعتين ليس بشرط عندهم، لكنه يكره إن تعمد على الصحيح عندهم؛ لمخالفته المتوارث، وتصريحهم بكراهة الزيادة على ثمان فى صلاة مطلق التطوع فهنا أولى.
وقالوا :إذا لم يقعد فى كل ركعتين وسلم تسليمة واحدة فإن صلاته تفسد عند محمد، ولا تفسد عند أبى حنيفة وأبى يوسف، والأصح أنها تجوز عن تسليمة واحدة؛ لأن السنة أن يكون الشفع الأول كاملا، وكماله بالقعدة ولم توجد، والكامل لا يتأدى بالناقص .
وقال المالكية :يندب لمن صلى التراويح التسليم من كل ركعتين، ويكره تأخير التسليم بعد كل أربع، حتى لو دخل على أربع ركعات بتسليمة واحدة فالأفضل له السلام بعد كل ركعتين .
وقال الشافعية :لو صلى فى التراويح أربعا بتسليمة واحدة لم يصح، فتبطل إن كان عامدا عالما، وإلا صارت نفلا مطلقا، وذلك لأن التراويح أشبهت الفرائض فى طلب الجماعة فلا تغير عما ورد.
ولم نجد للحنابلة كلاما فى هذه المسألة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧، ص١٤٥ ،مادة”صلاة التراويح“)

[2] عن عمران بن حصين قال :سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن صلاة الرجل قاعدا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم :صلاة القائم أفضل وصلاة القاعد على النصف من صلاة القائم (ابنِ خزيمه، رقم الحديث ١٢٣٦ ، باب تقصير أجر صلاة القاعد عن صلاة القائم فى التطوع)
أخبرنى أنس بن مالك قال :قدم النبى صلى الله عليه وسلم المدينة وهى محمة ، فحم الناس، فدخل النبى صلى الله عليه وسلم المسجد، والناس قعود يصلون .فقال النبى صلى الله عليه وسلم " :صلاة القاعد نصف صلاة القائم، فتجشم الناس الصلاة قياما (مسند احمد، رقم الحديث ١٢٣٩٥ ، مسند أنس بن مالك رضى الله تعالى عنه)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جن کے پیشِ نظر راجح یہ ہے کہ بلا عذر بیٹھ کر تراویح پڑھنا جائز ہے (کیونکہ تراویح میں قیام فرض نہیں) لیکن مستحب اور افضل یہ ہے کہ کھڑے ہوکر پڑھے۔

البتہ اگر کسی عذر کی وجہ سے پوری یا کچھ رکعتیں بیٹھ کر پڑھے، تو پھر ثواب میں کمی نہیں کی جاتی۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد رجاله ثقات رجال الشيخين(حاشية مسند احمد)

عن المسيب بن رافع الكاهلي ، قال :صلاة القاعد على النصف من صلاة القائم إلا من عذر (مصنف ابن ابی شيبة، رقم الحديث ۴۶۷۲، باب صلاة القاعد على النصف من صلاة القائم)

وذلک عندنا والله أعلم على المصلي تطوعا قاعدا وهو يطيق أن يصلي قائما، فيكون له بذلک نصف ما يكون له لو صلى قائما ,وليس هو على صلاته قاعدا، وهو لا يطيق القيام، ذلک صلاته قاعدا فيما يكتب له من الثواب بها كصلاته إياها قائما ;لأنه هاهنا قد قصد إلى القيام وقصر به عنه فاستحق من الثواب ما يستحقه لو صلاها قائما ,فكان إذا كان يطيق القيام فصلى قاعدا قد ترک القيام اختيارا فلم يكتب له ثوابه ,وكتب له ثواب المصلي قاعدا على صلاته كذلک (شرح مشكل الآثار للطحاوی، تحت رقم حديث ۱۲۹۴، باب بيان مشكل ما روی عن عمران بن حصين فی كيفية الصلاة الخ)

[1] القعود فی صلاة التراويح:

جاء فی مذهب الحنفية أن من يصلی التراويح قاعدا فإنه يجوز مع الكراهة تنزيها لأنه خلاف السنة المتوارثة .

وصرح الحنفية بأنه :يكره للمقتدی أن يقعد فی صلاة التراويح، فإذا أراد الإمام أن يركع قام، واستظهر ابن عابدين أنه يكره تحريما؛ لأن فی ذلک إظهار التكاسل فی الصلاة والتشبه بالمنافقين، قال الله تعالى :(وإذا قاموا إلى الصلاة قاموا كسالى) فإذا لم يكن ذلک لكسل بل لكبر ونحوه لا يكره ، ولم نجد مثل هذا لغير الحنفية(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷،ص ۱۴۵ ،مادة"صلاة التراويح")

ويجوز التراويح قاعدا من غير عذر لأنه تطوع إلا أنه لا يستحب؛ لأنه خلاف السنة المتوارثة (بدائع الصنائع، ج ۱، ص ۲۹۰، كتاب الصلاة، فصل فی سنن صلاة التراويح)

ذكر قاضی خان فی فتاويه من باب التراويح الأصح أن سنة الفجر لا يجوز أداؤها قاعدا من غير عذر والتراويح يجوز أداؤها قاعدا من غير عذر والفرق أن سنة الفجر مؤكدة لا خلاف فيها والتراويح فی التأكيد دونها انتهى وقد نقلناه فی سنة الفجر فی موضعها من رواية الحسن.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھر جس طرح پوری تراویح کو بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے، اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ تراویح کی نماز کھڑے ہو کر شروع کرے، پھر اسی رکعت میں یا دوسری رکعت میں بیٹھ جائے۔

اور اسی طرح تراویح بیٹھ کر پڑھنی شروع کرے، پھر اسی رکعت میں یا دوسری رکعت میں کھڑا ہو جائے، تو یہ بھی جائز ہے۔

اور اگر کوئی قرائت وتلاوت کے موقع پر بیٹھ کر تراویح پڑھتا رہے، اور جب رکوع کا موقع آئے، تو کھڑا ہو جائے، اور رکوع کرے، تو اس طرح کرنا بھی جائز اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وهكذا صححه حسام الدين ثم قال الصحيح أنه لا يستحب فی التراويح لمخالفته للتوارث وعمل السلف وهذا كله فی الابتداء (البحرالرائق، ج۲، ص۶۸، باب الوتر والنوافل، قوله ويتنفل قاعدا مع قدرته على القيام ابتداء وبناء)

اتفقوا على أن أداء التراويح قاعدا لا يستحب بغير عذر واختلفوا فی الجواز قال بعضهم :يجوز وهو الصحيح إلا أن ثوابه يكون على النصف من صلاة القائم (الفتاویٰ الهندية، ج۱، ص۱۱۸، كتاب الصلاة، الباب التاسع، فصل فی التراويح)

وأداؤها قاعد يجوز فی المختار ولو بلا عذر لكن لا يستحب بخلاف سنة الفجر فإنه لا يجوز قاعداً (الفتاویٰ البزازية، ج۱، ص۱۵، الثالث التراويح)

اتفقوا على أنه لا يستحب بغير عذر واختلفوا فی الجواز فقال بعضهم لا يجوز بغير عذر واستدلوا بما روى الحسن عن أبی حنيفة رحمه الله تعالى أنه لو صلى سنة الفجر قاعداً بغير عذر لا يجوز فكذا التراويح إذ كل واحد منهما سنة مؤكدة وقال بعضهم يجوز أداء التراويح قاعداً بغير عذر وفرقوا بين التراويح وبين سنة الفجر وهو الصحيح إلا أن ثوابه يكون على النصف من صلاة القائم ووجه الفرق أن سنة الفجر سنة مؤكدة لا خلاف فيها والتراويح فی التأكيد دونها فلا يجوز التسوية بينهما (فتاویٰ قاضی خان، ج۱، ص۱۷۲، كتاب الصوم، فصل فی أداء التراويح قاعداً)

[1] وأما قوله وبناء بأن شرع فيه قائما ثم قعد من غير عذر فهو قول أبی حنيفة وهذا استحسان وعندهما لا يجزئه وهو قياس لأن الشروع معتبر بالنذر وله أنه لم يباشر القيام فيما بقی ولما باشر صحة بدونه بخلاف النذر لأنه التزمه نصا حتى لو لم ينص على القيام لا يلزمه القيام عند بعضهم كما لو نذر صلاة لأنه فی النفل وصف زائد فلا يلزمه إلا بشرط وعند البعض يلزمه القيام لأن إيجاب العبد معتبر بإيجاب الله وأينما أوجبها الله تعالى أوجبها قائما والصحيح الأول كالتتابع فی الصوم كذا فی المحيط وغاية البيان ورجح الثانی فی فتح القدير بحثا بأن الصلاة عبارة عن القيام والقراء ة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نمازِ تراویح کے وقت اور اداء وقضاء کا حکم

جمہور فقہائے کرام کے نزدیک تراویح کا وقت، عشاء کی نماز کے بعد سے شروع ہوکر طلوعِ فجر تک جاری رہتا ہے۔

اور تراویح کو وتر سے پہلے پڑھنا، سنت ہے، لیکن اگر وتر کے بعد پڑھی جائے، تو حنفیہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ اس طرح بھی تراویح درست ہوجاتی ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إلى آخرها فهو الركن الأصلي غير أنه يجوز تركه إلى القعود رخصة فى النفل فلا ينصرف المطلق إلا إليه قيدنا بكونه شرع قائما ثم قعد لأنه لو كان على عكسه فإنه يجوز اتفاقا وهو فعله -صلى الله عليه وسلم -كما روت عائشة أنه كان يفتتح التطوع قاعدا فيقرأ ورده حتى إذا بقى عشر آيات ونحوها قام إلى آخره.

وهكذا كان يفعل فى الركعة الثانية وذكر فى التجنيس أن الأفضل أن يقوم فيقرأ شيئا ثم يركع ليكون موافقا للسنة ولو لم يقرأ ولكنه استوى قائما ثم ركع جاز وإن لم يستو قائما وركع لا يجزئه لأنه لا يكون ركوعا قائما ولا ركوعا قاعدا انتهى وليس هو بناء القوى على الضعيف لأن القعود والقيام فى النفل سواء والفرق لمحمد بين هذا وبين قوله ببطلان صلاة المريض إذا قدر على القيام فى أثناء صلاته أن تحريمة المتطوع لم تنعقد للقعود ألبتة بل للقيام لأنه أصل هو قادر عليه ثم جاز له شرعا تركه بخلاف المريض لأنه لم يقدر على القيام فما انعقد إلا للمقدور وهو القعود (البحرالرائق، باب الوتر والنوافل، قوله ويتنفل قاعدا مع قدرته على القيام ابتداء وبناء)

[1] وقت صلاة التراويح:

ذهب جمهور الفقهاء إلى أن وقت صلاة التراويح من بعد صلاة العشاء ، وقبل الوتر إلى طلوع الفجر؛ لنقل الخلف عن السلف، ولأنها عرفت بفعل الصحابة فكان وقتها ما صلوا فيه، وهم صلوا بعد العشاء قبل الوتر؛ ولأنها سنة تبع للعشاء فكان وقتها قبل الوتر.

ولو صلاها بعد المغرب وقبل العشاء

فجمهور الفقهاء وهو الأصح عند الحنفية على أنها لا تجزء عن التراويح، وتكون نافلة عند المالكية، ومقابل الأصح عند الحنفية أنها تصح؛ لأن جميع الليل إلى طلوع الفجر قبل العشاء وبعدها وقت للتراويح؛ لأنها سميت قيام الليل فكان وقتها الليل.

وعلل الحنابلة عدم الصحة بأنها تفعل بعد مكتوبة وهى العشاء فلم تصح قبلها كسنة العشاء ، وقالوا :إن التراويح تصلى بعد صلاة العشاء وبعد سنتها، قال المجد :لأن سنة العشاء يكره تأخيرها عن وقت العشاء المختار، فكان إتباعها لها أولى.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اگر تراویح، طلوعِ فجر سے پہلے نہ پڑھی جاسکے، تو اس کا وقت ختم ہوجاتا ہے، اور اس کی قضاء بھی نہیں ہوتی۔ [1]

تراویح کی نماز کا عشاء کی نماز کے فوراً بعد پڑھنا ضروری نہیں، بلکہ کچھ وقفہ کے بعد بلکہ رات کے کسی بھی حصہ میں پڑھ لینا جائز ہے۔ [2]

جس مَرد یا عورت پر عشاء کے بعد نیند یا تھکن کا غلبہ ہو، تو اس کو چاہئے کہ کچھ دیر سو لے یا آرام کر لے اور پھر تراویح پڑھ لے، کیونکہ تراویح کی نماز کا وقت طلوعِ فجر تک

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولو صلاها بعد العشاء وبعد الوتر فالأصح عند الحنفية أنها تجزء.

وذهب الحنفية والشافعية إلى أنه يستحب تأخير التراويح إلى ثلث الليل أو نصفه، واختلف الحنفية فى أدائها بعد نصف الليل، فقيل يكره؛ لأنها تبع للعشاء كسنتها، والصحيح لا يكره لأنها من صلاة الليل والأفضل فيها آخره.

وذهب الحنابلة إلى أن صلاتها أول الليل أفضل؛ لأن الناس كانوا يقومون على عهد عمر -رضى الله تعالى عنه -أوله، وقد قيل لأحمد :يؤخر القيام أى فى التراويح إلى آخر الليل؟ قال :سنة المسلمين أحب إلى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧، ص١٤٦، مادة"صلاة التراويح")

[1] قضاء التراويح:

إذا فاتت صلاة التراويح عن وقتها بطلوع الفجر، فقد ذهب الحنفية فى الأصح عندهم، والحنابلة فى ظاهر كلامهم إلى أنها لا تقضى؛ لأنها ليست بآكد من سنة المغرب والعشاء ، وتلك لا تقضى فكذلک هذه.

وقال الحنفية :إن قضاها كانت نفلا مستحبا لا تراويح كرواتب الليل؛ لأنها منها، والقضاء عندهم من خواص الفرض وسنة الفجر بشرطها.

ومقابل الأصح عند الحنفية أن من لم يؤد التراويح فى وقتها فإنه يقضيها وحده ما لم يدخل وقت تراويح أخرى، وقيل :ما لم يمض الشهر .

ولم نجد تصريحا للمالكية والشافعية فى هذه المسألة.

لكن قال النووى :لو فات النفل المؤقت ندب قضاؤه فى الأظهر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧، ص١٤٩، مادة"صلاة التراويح")

[2] والمستحب تأخيرها إلى ثلث الليل أو نصفه. واختلف فى أدائها بعد النصف، فقيل يكره لأنها تبع للعشاء كسنتها والصحيح لا يكره لأنها صلاة الليل والأفضل فيها آخره (فتح القدير للكمال ابن الهمام، ج١، ص٤٦٨، و ٤٦٩، كتاب الصلاة، باب النوافل، فصل فى قيام شهر رمضان)

جاری رہتا ہے۔ [1]

اگر کوئی مَرد یا عورت عشاء کے بعد کسی مصروفیت کی وجہ سے تراویح، یا اس کی کچھ رکعتیں نہ پڑھ سکے، تو اُسے چاہیے کہ فراغت کے بعد رات کے کسی حصہ میں طلوعِ فجر سے پہلے پہلے پڑھ لے۔ [2]

”تراویح“ کی جماعت

تراویح کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا مشروع ہے، اور جمہور فقہائے کرام کے نزدیک، تراویح کو جماعت کے ساتھ پڑھنا سنت ہے۔

البتہ حنفیہ کے نزدیک، تراویح کو جماعت کے ساتھ پڑھنا زیادہ صحیح قول کے مطابق سنت علی الکفایۃ ہے، لہٰذا اگر علاقہ کے تمام لوگ، تراویح کی جماعت ترک کردیں گے، تو وہ برے فعل کے مرتکب ہوں گے، لیکن اگر علاقے میں جماعت کے ساتھ تراویح ادا کی جائے، اور پھر کچھ لوگ تراویح کی جماعت کو ترک کردیں، اور وہ بغیر جماعت کے اپنے گھر میں پڑھ لیں، تو وہ گناہ گار تو نہیں ہوں گے، البتہ فضیلت سے محروم رہیں گے۔

پھر اگر وہ گھر میں جماعت کے ساتھ تراویح کی نماز پڑھ لیں، تو جماعت کی فضیلت کو پالیں

---

[1] حدثنا عبد الله بن یوسف، قال :أخبرنا مالک، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :إذا نعس أحدكم وهو يصلى فليرقد، حتى يذهب عنه النوم، فإن أحدكم إذا صلى وهو ناعس، لا يدرى لعله يستغفر فيسب نفسه (بخاری، رقم الحديث ٢١٢، باب الوضوء من النوم، ومن لم ير من النعسة والنعستين، أو الخفقة وضوءا)

وكذا إذا غلبه النوم يكره له أن يصلى مع النوم بل ينصرف حتى يستيقظ لأن فى الصلاة من النوم تهاوناً وغفلة وترك التدبر (فتاویٰ قاضی خان، ج ۱، ص۱۷۳، کتاب الصلاة، باب التراويح)

[2] والمستحب تأخيرها إلى ثلث الليل أو نصفه. واختلف فى أدائها بعد النصف، فقيل يكره لأنها تبع للعشاء كسنتها والصحيح لا يكره لأنها صلاة الليل والأفضل فيها آخره (فتح القدير للكمال ابن الهمام، ج ۱، ص۴٦٨، و ۴٦٩، كتاب الصلاة، باب التراويح، فصل فى قيام شهر رمضان)

گے، مسجد کی فضیلت نہیں پائیں گے۔

البتہ کسی عذر کی وجہ سے مسجد نہ آسکیں، تو پھر امید ہے کہ وہ عذر کی وجہ سے، مسجد کی فضیلت سے بھی محروم نہ ہوں گے۔

اور مالکیہ کے نزدیک اگر مساجد میں معتد بہ لوگ، تراویح کی نماز، باجماعت ادا کریں، اور مساجد کو معطل نہ کیا جائے، تو باقی لوگوں کے لیے تراویح کا گھروں میں پڑھنا مستحب ہے، جبکہ گھروں میں بشاشت کے ساتھ پڑھی جائے، اور تراویح کو ترک نہ کیا جائے۔

اور شافعیہ کے نزدیک بھی اصح قول کے مطابق، تراویح باجماعت پڑھنا سنت ہے۔

اور حنابلہ کے نزدیک تراویح کو جماعت کے ساتھ پڑھنا، تنہا پڑھنے کے مقابلے میں افضل ہے۔

اور نفسِ جماعت کی فضیلت دو افراد سے بھی حاصل ہو جاتی ہے، اگرچہ دوسرا فرد سمجھ دار بچہ یا عورت کیوں نہ ہو۔ [1]

---

[1] الجماعة فی صلاة التراويح:

اتفق الفقهاء على مشروعية الجماعة فی صلاة التراويح؛ لفعل النبی صلى الله عليه وسلم كما سبق، ولفعل الصحابة -رضوان الله تعالى عليهم -ومن تبعهم منذ زمن عمر بن الخطاب -رضی الله عنه -؛ ولاستمرار العمل عليه حتى الآن.

وذهب جمهور الفقهاء إلى أن الجماعة فی صلاة التراويح سنة.

قال الحنفية :صلاة التراويح بالجماعة سنة على الكفاية فی الأصح، فلو تركها الكل أساء وا، أما لو تخلف عنها رجل من أفراد الناس وصلى فی بيته فقد ترك الفضيلة، وإن صلى فی البيت بالجماعة لم ينل فضل جماعة المسجد .

وقال المالكية :تندب صلاة التراويح فی البيوت إن لم تعطل المساجد، وذلك لخبر :عليكم بالصلاة فی بيوتكم، فإن خير صلاة المرء فی بيته إلا الصلاة المكتوبة ولخوف الرياء وهو حرام، واختلفوا فيما إذا صلاها فی بيته، هل يصليها وحده أو مع أهل بيته؟ قولان، قال الزرقانی :لعلهما فی الأفضلية سواء .

وندب صلاة التراويح -فی البيوت عندهم -مشروط بثلاثة أمور :أن لا تعطل المساجد، وأن ينشط لفعلها فی بيته، ولا يقعد عنها، وأن يكون غير آفاقی بالحرمين، فإن تخلف شرط كان فعلها فی المسجد أفضل، وقال الزرقانی :يكره لمن فی المسجد الانفراد بها عن الجماعة التی يصلونها فيه،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ حنفیہ میں سے امام طحاوی رحمہ اللہ کے رُجحان کے مطابق، تراویح کی نماز کو مسجد کے بجائے گھر میں تنہا پڑھنا افضل ہے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأولى إذا كان انفراده يعطل جماعة المسجد .
وقال الشافعية :تسن الجماعة فى التراويح على الأصح؛ لحديث عائشة -رضى الله تعالى عنها - الذى سبق ذكره؛ وللأثر عن عمر -رضى الله تعالى عنه -ولعمل الناس على ذلك.
ومقابل الأصح عندهم أن الانفراد بصلاة التراويح أفضل كغيرها من صلاة الليل لبعده عن الرياء .
وقال الحنابلة :صلاة التراويح جماعة أفضل من صلاتها فرادى، قال أحمد :كان على وجابر وعبد الله -رضى الله عنهم -يصلونها فى الجماعة .
وفى حديث أبى ذر -رضى الله تعالى عنه -أن النبى صلى الله عليه وسلم جمع أهله ونساء ه، وقال: إن الرجل إذا صلى مع الإمام حتى ينصرف كتب له قيام ليلة .
وقالوا :إن تعذرت الجماعة صلى وحده لعموم قول النبى صلى الله عليه وسلم :من قام رمضان إيمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧، ص١٤٧، مادة"صلاة التراويح")

۱؎ حدثنا إبراهيم بن مرزوق , قال: ثنا عفان بن مسلم , قال: ثنا وهب , قال: ثنا داود وهو ابن أبى هند , عن الوليد بن عبد الرحمن , عن جبير بن نفير الحضرمى عن أبى ذر , قال: صمت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم رمضان , ولم يقم بنا , حتى بقى سبع من الشهر .فلما كانت الليلة السابعة خرج فصلى بنا , حتى مضى ثلث الليل , ثم لم يصل بنا السادسة , حتى خرج ليلة الخامسة , فصلى بنا حتى مضى شطر الليل .فقلنا: يا رسول الله , لو نفلتنا؟ فقال: إن القوم إذا صلوا مع الإمام حتى ينصرف , كتب لهم قيام تلك الليلة ثم لم يصل بنا الرابعة حتى إذا كانت ليلة الثالثة , خرج وخرج بأهله , فصلى بنا حتى خشينا أن يفوتنا الفلاح , قلت: وما الفلاح .قال: السحور قال أبو جعفر: فذهب قوم إلى أن القيام مع الإمام فى شهر رمضان , أفضل منه فى المنازل , واحتجوا فى ذلك بقول رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنه من قام مع الإمام حتى ينصرف , كتب له قنوت بقية ليلته وخالفهم فى ذلك آخرون , فقالوا: بل صلاته فى بيته أفضل من صلاته مع الإمام .وكان من الحجة لهم فى ذلك , أن ما احتجوا به من قول رسول الله صلى الله عليه وسلم إنه من قام مع الإمام حتى ينصرف كتب له قنوت بقية ليلته كما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم .ولكنه قد روى عنه أيضا أنه قال: خير صلاة المرء فى بيته , إلا المكتوبة , فى حديث زيد بن ثابت .وذلك لما كان قام بهم ليلة فى رمضان فأرادوا أن يقوم بهم بعد ذلك , فقال لهم هذا القول .فأعلمهم به أن صلاتهم فى منازلهم وحدانا أفضل من صلاتهم معه فى مسجده , فصلاتهم تلك فى منازلهم أحرى أن يكون أفضل من الصلاة مع غيره فى غير مسجده .فتصحيح هذين الأثرين , يوجب أن حديث أبى ذر هو على أن يكتب له بالقيام مع الإمام , قنوت بقية ليلته .وحديث زيد بن ثابت ,

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ تراویح کو گھر میں جماعت کے ساتھ اور بغیر جماعت کے پڑھنے کی بھی گنجائش ہے، بالخصوص جبکہ ضرورت کی وجہ سے ہو۔

لہٰذا کوئی موجودہ حالات میں گھر کے اندر باجماعت، یا بغیر جماعت کے تراویح پڑھ لے، تو وہ گناہ گار نہ ہوگا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

یوجب أن ما فعل فی بیته هو أفضل من ذلک , حتی لا یتضاد هذان الأثران.

حدثنا ابن مرزوق، وعلی بن عبد الرحمن , قالا: ثنا عفان، قال: ثنا وهیب، قال: ثنا موسی بن عقبة، قال: سمعت أبا النضر، یحدث عن بسر بن سعید، عن زید بن ثابت "أن النبی صلی الله علیه وسلم احتجر حجرة فی المسجد من حصیر , فصلی فیها رسول الله صلی الله علیه وسلم لیالی , حتی اجتمع إلیه ناس ثم فقدوا صوته , فظنوا أنه قد نام , فجعل بعضهم یتنحنح لیخرج إلیهم , فقال: ما زال بکم الذی رأیت من صنیعکم منذ اللیلة , حتی خشیت أن یکتب علیکم قیام اللیل , ولو کتب علیکم , ما قمتم به , فصلوا أیها الناس فی بیوتکم , فإن أفضل صلاة المرء فی بیته , إلا المکتوبة.

حدثنا ابن أبی داود، قال: ثنا الوحاظی، قال: ثنا سلیمان بن بلال، قال: حدثنی بردان إبراهیم بن أبی فلان , وهو ابن أبی النضر , عن أبیه، عن بسر بن سعید، عن زید بن ثابت، أن النبی صلی الله علیه وسلم قال: صلاة المرء فی بیته أفضل من صلاته فی مسجدی هذا إلا المکتوبة.

حدثنا ربیع الجیزی، قال: ثنا أسد، وأبو الأسود، قالا: أنا ابن لهیعة، عن أبی النضر، عن بسر بن سعید، عن زید بن ثابت، أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: إن أفضل صلاة المرء , صلاته فی بیته إلا المکتوبة وقد روی عن غیر زید بن ثابت فی ذلک , عن النبی صلی الله علیه وسلم أیضا ما قد ذکرناه فی باب التطوع فی المساجد .فثبت بتصحیح معانی هذه الآثار , ما ذکرناه .وقد روی فی ذلک عمن بعد النبی صلی الله علیه وسلم ما یوافق ما صححناها علیه.

فمن ذلک ما حدثنا فهد , قال: ثنا أبو نعیم , قال: ثنا سفیان , عن عبید الله , عن نافع , عن ابن عمر رضی الله عنهما أنه کان لا یصلی خلف الإمام فی رمضان.

حدثنا أبو بکرة، قال: ثنا مؤمل، قال: ثنا سفیان، عن منصور، عن مجاهد، قال: قال رجل لابن عمر رضی الله عنهما: أصلی خلف الإمام فی رمضان؟ فقال: أتقرأ القرآن قال: نعم , قال: صل فی بیتک.

حدثنا فهد، قال: ثنا أبو نعیم، قال: ثنا سفیان، عن أبی حمزة، ومغیرة , عن إبراهیم، قال: لو لم یکن معی إلا سورتان لرددتهما , أحب إلی من أن أقوم خلف الإمام فی رمضان.

حدثنا روح بن الفرج، قال: ثنا یوسف بن عدی، قال: ثنا أبو الأحوص، عن مغیرة، عن إبراهیم، قال: کان المتهجدون یصلون فی ناحیة المسجد , والإمام یصلی بالناس فی رمضان.

حدثنا أبو بکرة، قال: ثنا روح بن عبادة، قال: ثنا شعبة، عن المغیرة، عن إبراهیم، قال: کانوا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

’’تراویح‘‘ میں ختمِ قرآن

حنابلہ اور اکثر مشائخِ حنفیہ کے نزدیک، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مروی حضرت حسن کی روایت کے مطابق نمازِ تراویح میں، قرآن مجید مکمل کرنا، سنت ہے، تاکہ لوگ نمازِ تراویح میں پورے قرآن مجید کو سن لیں۔

پھر حنفیہ کے نزدیک ایک مرتبہ قرآن مجید کو تراویح میں ختم کرنا، سنت ہے، جس کو لوگوں کی سستی کی وجہ سے ترک نہیں کیا جائے گا۔

لیکن بعض حضرات نے لوگوں کی حسبِ قدرت اور حسبِ شوق، اس سے کم وبیش پڑھنے کو افضل قرار دیا ہے، خواہ قرآن مجید مکمل نہ ہو۔

ضرورت کے وقت، یعنی جب کوئی حافظِ قرآن میسر نہ ہو، یا کسی کو پورا قرآن مجید سننا مشکل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

یصلون فی رمضان , فیؤمهم الرجل , وبعض القوم یصلی فی المسجد وحده قال شعبة: سألت إسحاق بن سوید عن هذا , فقال: کان الإمام هاهنا یؤمنا , وکان لنا صف یقال له: صف القراء , فنصلی وحدانا والإمام یصلی بالناس.

حدثنا أبو بکرة، قال: ثنا مؤمل، قال: ثنا سفیان، عن أبی حمزة، عن إبراهیم، قال: لو لم یکن معی إلا سورة واحدة , لکنت أن أرددها , أحب إلی من أن أقوم خلف الإمام فی رمضان.

حدثنا یونس، وفهد، قالا: ثنا عبد الله بن یوسف، قال: ثنا ابن لهیعة، عن أبی الأسود، عن عروة أنه کان یصلی مع الناس فی رمضان , ثم ینصرف إلی منزله , فلا یقوم مع الناس.

حدثنا أبو بکرة، قال: ثنا أبو داود، قال: ثنا أبو عوانة، قال: لا أعلمه إلا عن أبی بشر، أن سعید بن جبیر، کان یصلی فی رمضان فی المسجد وحده , والإمام یصلی بهم فیه.

حدثنا یونس , قال: ثنا أنس , عن عبید الله بن عمر , قال: رأیت القاسم , وسالما , ونافعا ینصرفون من المسجد فی رمضان , ولا یقومون مع الناس.

حدثنا ابن مرزوق، قال: ثنا أبو داود، قال: ثنا شعبة، عن الأشعث بن سلیم، قال: أتیت مکة , وذلک فی رمضان , فی زمن ابن الزبیر , فکان الإمام یصلی بالناس فی المسجد , وقوم یصلون علی حدة فی المسجد فهؤلاء الذین روینا عنهم ما روینا من هذه الآثار , کلهم یفضل صلاته وحده فی شهر رمضان , علی صلاته مع الإمام , وذلک هو الصواب(شرح معانی الآثار للطحاوی، ج ۱ ص ۳۴۹ الیٰ ۳۵۲، کتاب الصلاة، باب القیام فی شهر رمضان هل هو فی المنازل أفضل أم مع الإمام؟)

ہو، تو اس قول پر عمل کی بھی گنجائش ہے۔

اور مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک، امام کے لیے تراویح میں پورے مہینے کے اندر، ایک مرتبہ قرآن مجید کو ختم کرنا، مستحب ہے۔

اور اگر پورے مہینے "سورت تراویح" پڑھی جائے، تو تب بھی جائز ہے، کوئی گناہ نہیں، صرف خلافِ اولیٰ ہے، اور ضرورت کے وقت اس پر عمل کرنا خلافِ اولیٰ بھی نہیں۔ [1]

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ اگر موجودہ حالات میں کچھ لوگ تراویح میں پورا قرآن مجید نہ

---

[1] القراء ة وختم القرآن الكريم فى التراويح:
ذهب الحنابلة وأكثر المشايخ من الحنفية وهو ما رواه الحسن عن أبى حنيفة إلى أن السنة أن يختم القرآن الكريم فى صلاة التراويح ليسمع الناس جميع القرآن فى تلك الصلاة.
وقال الحنفية :السنة الختم مرة، فلا يترك الإمام الختم لكسل القوم، بل يقرأ فى كل ركعة عشر آيات أو نحوها، فيحصل بذلك الختم؛ لأن عدد ركعات التراويح فى شهر رمضان ستمائة ركعة، أو خمسمائة وثمانون، وآى القرآن الكريم ست آلاف وشىء .
ويقابل قول هؤلاء ما قيل :الأفضل أن يقرأ قدر قراء ة المغرب لأن النوافل مبنية على التخفيف خصوصا بالجماعة، وما قيل :يقرأ فى كل ركعة ثلاثين آية لأن عمر -رضى الله تعالى عنه -أمر بذلك، فيقع الختم ثلاث مرات فى رمضان؛ لأن لكل عشر فضيلة كما جاء ت به السنة، أوله رحمة وأوسطه مغفرة وآخره عتق من النار.
وقال الكاسانى :ما أمر به عمر -رضى الله تعالى عنه -هو من باب الفضيلة، وهو أن يختم القرآن أكثر من مرة، وهذا فى زمانهم، وأما فى زماننا فالأفضل أن يقرأ الإمام على حسب حال القوم، فيقرأ قدر ما لا ينفرهم عن الجماعة؛ لأن تكثير الجماعة أفضل من تطويل القراء ة.
ومن الحنفية من استحب الختم ليلة السابع والعشرين رجاء أن ينالوا ليلة القدر، وإذا ختم قبل آخره . .قيل :لا يكره له التراويح فيما بقى، قيل :يصليها ويقرأ فيها ما يشاء .
وصرح المالكية والشافعية بأنه يندب للإمام الختم لجميع القرآن فى التراويح فى الشهر كله، وقراءة سورة فى تراويح جميع الشهر تجزء، وكذلك قراء ة سورة فى كل ركعة، أو كل ركعتين من تراويح كل ليلة فى جميع الشهر تجزء وإن كان خلاف الأولى إذا كان يحفظ غيرها أو كان هناك من يحفظ القرآن غيره، قال ابن عرفة :فى المدونة لمالك :وليس الختم بسنة .
وقال الحنابلة :يستحب أن يبتدء التراويح فى أول ليلة بسورة القلم :(اقرأ باسم ربك) بعد الفاتحة لأنها أول ما نزل من القرآن، فإذا سجد للتلاوة قام فقرأ من البقرة نص عليه أحمد، والظاهر أنه قد بلغه فى ذلك أثر، وعنه :أنه يقرأ بسورة القلم فى عشاء الآخرة من الليلة الأولى من رمضان.
قال الشيخ :وهو أحسن مما نقل عنه أنه يبتدء بها التراويح ويختم آخر ركعة من التراويح قبل ركوعه ويدعو، نص عليه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧،ص١٤٨ ،مادة"صلاة التراويح")

سُن سکیں، اور وہ گھر میں سورہ تراویح پڑھ لیں، تو وہ گناہ گار نہیں ہوں گے۔

تراویح میں مسبوق کا حکم

اگر کوئی تراویح میں ایسے وقت پہنچا کہ امام، وتر شروع کر چکا تھا، تو حنفیہ کے نزدیک اس کو وتر پڑھنا جائز ہے، جس کے بعد، اس کو باقی ماندہ تراویح کا پڑھنا جائز ہے۔

اور دوسرے فقہائے کرام کے اقوال اس میں مختلف ہیں۔ [1]

اگر کسی شخص کی عشاء کی جماعت نکل گئی اور تراویح شروع ہو چکی ہے، تو حنفیہ کے نزدیک اس شخص کو چاہئے کہ پہلے عشاء کے صرف فرض پڑھے اور پھر تراویح میں شریک ہو اور اس دوران جو تراویح کی رکعتیں رہ جائیں انہیں بعد میں ادا کرے، یہ باقی ماندہ رکعتیں وتروں کے بعد بھی ادا کی جا سکتی ہیں۔ [2]

---

[1] المسبوق فی التراویح:
قال الحنفية :من فاته بعض التراويح وقام الإمام إلى الوتر أوتر معه ثم صلى ما فاته .
وقال المالكية :من أدرك مع الإمام ركعة فلا يخلو أن تكون من الركعتين الأخيرتين من الترويحة أو من الأوليين، فإن كانت من الأخيرتين فإنه يقضى الركعة التى فاتته بعد سلام الإمام فى أثناء فترة الراحة، وإن كانت من الركعتين الأوليين فقد روى ابن القاسم عن مالك أنه لا يسلم سلامه ولكن يقوم فيصحب الإمام فإذا قام الإمام من الركعة الأولى من الأخريين تشهد وسلم ثم دخل معه فى الركعتين الأخريين فصلى منهما ركعة ثم قضى الثانية منهما حين انفراده بالتنفل .
وعند الحنابلة :سئل أحمد عمن أدرك من ترويحة ركعتين يصلى إليها ركعتين؟ فلم ير ذلك، وقال :هى تطوع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷، ص ۱۴۹ ،مادة"صلاة التراويح")

[2] وقال عامة مشايخنا: إن التراويح وسائر السنن تتأدى بمطلق النية (بدائع الصنائع، ج ۱، ص ۲۸۸، كتاب الصلاة، فصل فى سنن صلاة التراويح)
(قوله: لأنها تبع للعشاء إلى آخره) أى حتى أن من دخل المسجد والإمام يصلى التراويح يصلى العشاء أولا، ثم يتبع إمامه والأصح أن يترك السنة .اهـ .كاكى (حاشية الشلبى على تبيين الحقائق، ج ۱، ص ۱۷۸، كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل)
(ووقته) أى وقت التراويح ذكره باعتبار الفعل او النفل المذكور (بعد العشاء لا يجوز قبلها) سواء كانت بعد الوتر أو قبله (وهو المختار) لأنها نافلة شرعت بعد العشاء فكانت تبعا لها كسنتها (منية المصلى وغنية المبتدى، ج ۱، ص ۲۲۵، ومن السنن المؤكدة التراويح)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نابالغ کی اقتداء میں تراویح پڑھنے کا حکم

نابالغ کی اقتداء میں، نابالغ کو نماز پڑھنا، تو بلا اختلاف جائز ہے۔

جہاں تک نابالغ کی اقتداء میں، بالغ کے نماز پڑھنے کا تعلق ہے، تو اس سلسلے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک، اور حنابلہ کے مختار قول کے مطابق، غیر فرض ادا کرنے والے کی اقتداء میں، فرض نماز ادا کرنے والے، شخص کو نماز پڑھنا جائز نہیں۔

البتہ شافعیہ کے نزدیک اور حنابلہ کی ایک روایت کے مطابق، بعض شرائط کے ساتھ جائز ہے۔ [1]

اس بناء پر حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک، اور حنابلہ کی مختار روایت کے مطابق، نابالغ کی اقتداء

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

لو اقتدى من لم يصل السنة بعد العشاء بمن يصلى التراويح ونوى سنة العشاء جاز(الفتاوىٰ الهندية، ج ا، ص١١٧، كتاب الصلاة، الباب التاسع، فصل فى التراويح)

ولو اقتدى من يصلى التسليمة الأولى بمن يصلى التسليمة الثانية قيل: لا يجوز اقتداؤه، وقيل: يجوز وهو الصحيح؛ لأن الصلاة متحدة فكان نية الأولى والثانية لغوا، ولهذا صح اقتداء مصلى الركعتين بمصلى الأربع قبله فكذا هذا (بدائع الصنائع، ج ا، ص٢٨٨، كتاب الصلاة، فصل فى سنن صلاة التراويح)

[1] اقتداء المفترض بالمتنفل:

جمهور الفقهاء (الحنفية والمالكية، وهو المختار عند الحنابلة) على عدم جواز اقتداء المفترض بالمتنفل، لقوله صلى الله عليه وسلم: إنما جعل الإمام ليؤتم به، فلا تختلفوا عليه ولقوله عليه السلام: الإمام ضامن ومقتضى الحديثين ألا يكون الإمام أضعف حالا من المقتدى، ولأن صلاة المأموم لا تؤدى بنية الإمام، فأشبهت صلاة الجمعة خلف من يصلى الظهر .

وقال الشافعية، وهو الرواية الثانية عند الحنابلة: يصح اقتداء المفترض بالمتنفل بشرط توافق نظم صلاتيهما، لما ورد فى الصحيحين: أن معاذا كان يصلى مع النبى صلى الله عليه وسلم عشاء الآخرة، ثم يرجع إلى قومه فيصلى بهم تلك الصلاة .

فإن اختلف فعلهما كمكتوبة وكسوف أو جنازة، لم يصح الاقتداء فى ذلك على الصحيح لمخالفته النظم وتعذر المتابعة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦ ص٣٢، مادة ”اقتداء“)

میں، بالغ شخص کو فرض نماز پڑھنا جائز نہیں۔

البتہ شافعیہ کے نزدیک نابالغ بچے کی اقتداء میں بالغ شخص کو فرض نماز کا پڑھنا بھی جائز ہے، جبکہ وہ نابالغ بچہ سمجھدار ہو۔ [1]

جہاں تک غیر فرض نماز کا تعلق ہے، جیسا کہ تراویح کی نماز، تو حنفیہ کی مختار روایت کے مطابق، اور مالکیہ اور حنابلہ کی ایک روایت کے مطابق، اس میں بھی، بالغ شخص کو، نابالغ کی اقتداء کرنا جائز نہیں۔

لیکن شافعیہ کے نزدیک نابالغ سمجھدار بچے کا تراویح میں بالغ کی امامت کرنا بدرجۂ اولیٰ جائز ہے، کیونکہ ان کے نزدیک فرض نماز میں بھی ایسا کرنا جائز ہے۔

نیز مالکیہ کے مشہور قول کے مطابق، اور حنابلہ کی ایک روایت کے مطابق، اور بعض حنفیہ کے نزدیک بھی، نابالغ سمجھدار بچے کا، تراویح میں بالغ کی امامت کرنا جائز ہے۔ [2]

---

[1] ويتفرع على هذه المسألة اقتداء البالغ بالصبى فى الفرض، فإنه لا يجوز عند جمهور الفقهاء (الحنفية والمالكية والحنابلة)لقول الشعبى: لا يؤم الغلام حتى يحتلم .ولأنه لا يؤمن من الصبى الإخلال بشرط من شرائط الصلاة .

وقال الشافعية: يصح اقتداء البالغ الحر بالصبى المميز، ولو كانت الصلاة فرضا، للاعتداد بصلاته ، لأن عمرو بن سلمة "كان يؤم قومه على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو ابن ست أو سبع سنين .لكنهم صرحوا بكراهة الاقتداء بالصبى المميز(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦ ص ٣٢،٣٣، مادة "اقتداء")

[2] هذا فى صلاة الفريضة.

أما فى النافلة فجاز اقتداء البالغ بالصبى عند بعض الحنفية، وهو المشهور عند المالكية، ورواية عند الحنابلة .

وفى المختار عند الحنفية، ورواية عند المالكية والحنابلة: لا يجوز لأن نفل الصغير دون نفل البالغ، حيث لا يلزمه القضاء بالإفساد، ولا يبنى القوى على الضعيف، كما علله الحنفية(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦ ص٣٣، مادة "اقتداء")

البلوغ: فلا تصح إمامة المميز عند الجمهور للبالغ، فى فرض أو نفل عند الحنفية، وفى فرض فقط عند المالكية والحنابلة.

أما فى النفل ككسوف وتراويح فتصح إمامته لمثله، لأنه متنفل يؤم متنفلا، ودليلهم ما روى الأثرم عن ابن مسعود وابن عباس: لا يؤم الغلام حتى يحتلم ولأن الإمامة حال كمال، والصبى ليس من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حنفیہ کا نابالغ کی اقتداء میں، بالغ کے تراویح پڑھنے کے بارے میں مختار اور اصح قول تو یہی ہے کہ جائز نہیں، جس کو عام مشائخ نے اختیار کیا ہے، اور اس کو "ظاھرُ الروایة" بھی قرار دیا ہے۔

لیکن حنفیہ کے ''مشائخِ خراسان'' اور ''مشائخِ بلخ'' کے نزدیک، نابالغ کی اقتداء میں بالغ کا تراویح پڑھنا، جائز ہے۔

اگر کسی ضرورت ومجبوری کی صورت میں، نابالغ سمجھدار بچے کی اقتداء میں، بالغ کی تراویح پڑھی جائے، مثلاً اس کے مقابلے میں، کسی دوسرے بالغ، صحیح قرآن پڑھنے والے حافظ کی دستیابی مشکل ہو، یا نابالغ سمجھدار حافظِ قرآن لڑکے کا تراویح میں قرآن سنائے بغیر، حفظ یاد رکھنا مشکل ہو، تو ہمارا رجحان، اس کے جائز ہونے کی طرف ہے، بشرطیکہ کوئی فتنہ وانتشار لازم نہ آئے، اور مقتدی اس پر راضی ہوں، جیسا کہ گھر کے افراد، اس کی اقتداء میں تراویح ادا کریں، تو اس کو درست قرار دے دیا جائے گا۔

اگرچہ بعض دوسرے علماء اس صورت میں نابالغ حافظ کے پیچھے تراویح پڑھنے کے بجائے، تنہا یا جماعت کے ساتھ سورۃ تراویح پڑھانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أهل الكمال، ولأنه لا يؤمن الصبى لإخلاله بشروط الصلاة أو القرائة.

وقال الشافعية: يجوز اقتداء البالغ بالصبى المميز، لما روى عن عمرو بن سلمة قال: أممت على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأنا غلام ابن سبع سنين والأصح صحة إمامة الصبى عندهم فى الجمعة أيضا، مع الكراهة(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج٢ص ١١٩٣، ١١٩٤، القسم الاول، الباب الثانى، الفصل العاشر، المبحث الاول، المطلب الثانى)

[2] (الفصل الثانى عشر فى إمامة الصبى فى التراويح) جوزها مشايخ خراسان رحمهم الله تعالى ورضى عنهم ولم يجوزها مشايخ العراق رحمهم الله تعالى – رضى الله عنهم – والله أعلم بالصواب وإليه المرجع والمآب(المبسوط للسرخسى، ج٢ص ١٤٩، كتاب الصلاة، فصل إمامة الصبى فى التراويح)

وأما اقتداء البالغ بالصبى فى التطوع، فقد جوزه محمد بن مقاتل .....إليه خصوصا فى ليالى رمضان فى التراويح، وبه قال مشايخ بلخ والأصح عندنا أنه لا يجوز؛ لأن نفل الصبى دون نفل البالغ حتى لا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یہ بھی یاد رہے کہ حنفیہ کے نزدیک بارہ سال سے پہلے لڑکا بالغ نہیں ہوتا، البتہ بارہ سال ہونے کے بعد اگر بالغ ہونے کی کوئی علامت (ونشانی) ظاہر ہو جائے، مثلاً احتلام یا انزال

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يلزم الصبى القضاء بالإفساد بخلاف البالغ، وبناء القوى على الضعيف لا يجوز، كيف وقد قال النبى :عليه السلام؛ الإمام ضامن والصبى لا يصح منه ضمان فلس، فكيف يصح منه ضمان صلاة المقتدى(المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى، ج ا ص۴۰۷،فصل فى بيان من هو أحق بالإمامة وفى بيان من يصح إماما لغيره، ومن لا يصح)

وإمامة الصبى المراهق لصبيان مثله يجوز .كذا فى الخلاصة.

وعلى قول أئمة بلخ يصح الاقتداء بالصبيان فى التراويح والسنن المطلقة .كذا فى فتاوى قاضى خان المختار أنه لا يجوز فى الصلوات كلها .كذا فى الهداية وهو الأصح .هكذا فى المحيط وهو قول العامة وهو ظاهر الرواية .هكذا فى البحر الرائق(الفتاوىٰ الهندية، ج ا ص۸۵، كتاب الصلاة، الباب الخامس فى الامامة ، الفصل الثالث فى بيان من يصلح إماما لغيره)

وإمامة الصبى العاقل فى التراويح والنوافل المطلقة تجوز عند بعضهم ولا تجوز عند عامتهم، كذا فى محيط السرخسى (الفتاوىٰ الهندية، ج ا ص۱۱۷ ، كتاب الصلاة، الباب التاسع فى النوافل، فصل فى التراويح)

وأما الصبى فلأنه متنفل فلا يجوز اقتداء المفترض به وفى التراويح والسنن المطلقة جوزه مشايخ بلخ رحمهم الله ولم يجوزه مشايخنا رحمهم الله ومنهم من حقق الخلاف فى النفل المطلق بين أبى يوسف ومحمد رحمهما الله والمختار أنه لا يجوز فى الصلوات كلها لأن نفل الصبى دون نفل البالغ حيث لا يلزمه القضاء بالإفساد بالإجماع ولا يبنى القوى على الضعيف بخلاف المظنون لأنه مجتهد فيه فاعتبر العارض عدما (الهداية فى شرح بداية المبتدى مع شرحه البناية ، ج۲ص ۳۴۴، كتاب الصلاة، باب الامامة، امامة المرأة والصبى فى الصلاة)

(قوله جوزه مشايخ بلخ) قياسا على المظنون، ولم يجوزه مشايخنا البخاريون وقالوا: لا يجوز عندهم، ومنهم من حقق الخلاف بين أبى يوسف ومحمد فى النفل المطلق فقالوا إنه لا يجوز بلا خلاف بين أصحابنا فى السنن، وكذا فى النفل المطلق عند أبى يوسف، ويجوز فيه عند محمد، والمختار قول أبى يوسف (قوله ولا يبنى القوى على الضعيف) قد يقال ذلك فى الحسى، أما البناء الحكمى فلا، بل المانع فيه عدم المبنى عليه كما فى الفرض على النفل لانتفاء وصف الفرضية فى المبنى عليه، وقد يجاب بأن ذلك أيضا ثابت هنا، فإن نفل البالغ يصير واجب الإتمام، وهذا الوجوب منعدم فى نفل الصبى .فإن قيل: فعلى هذا ينبغى جواز المظنون خلف ظهر الصبى. فالجواب هو غير محفوظ الرواية .ولنا أن نمنعه بناء على الفساد فى زعم المقتدى فإنه حال الشروع بظن الوجوب ويعلم انتفاء من ظهر الصبى (قوله بخلاف المظنون) وهو المؤدى على ظن قيام وجوبه إذا ظهر بعد إفساده عدم وجوبه بظهور أنه كان أداه فإنه لا يجب قضاؤه .ومع هذا صح

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہونے کی وجہ سے غسل کی ضرورت پیش آجائے تو بالغ شمار کیا جائے گا اور اگر بالغ ہونے کی کوئی علامت ظاہر نہ ہو، تو پھر پندرہ سال مکمل ہونے پر بالغ کہلائے گا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بناء نفل البالغ عليه فقد بنى المظنون على غير المظنون .أجاب بأنه مجتهد فيه، إذ عند زفر يجب القضاء على الظان إذا أفسد المظنون قاسه على المتفق عليه من الإحرام بنسك مظنون فإنه مضمون حتى إذا ظهر له أن لا نسك عليه كان إحرامه لازما للنفل، والصدقة المظنون وجوبها إذا تبين أن لا شيء عليه ليس له أن يستردها من الفقير .والجواب الفرق بالعلم بفرق الشرع فإنه ظهر منه أن لا يخرج من إحرامه ولو عرضت ضرورة توجب رفضه إلا بأفعال أو دم ثم قضاء أصله من أحصر واضطر إلى ذلك أو فاته الحج لم يتمكن شرعا من الخروج بلا لزوم شيء ثم القضاء؛ وأما الصدقة فإن الدفع على ذلك الظن يوجب أمرين: سقوط الواجب، وثبوت الثواب، فإذا كان الواجب منتفيا فى نفس الأمر ثبت الآخر لأنه دفعه تقربا إلى الله تعالى يطلب به ثوابه وقد حصل، وثبت الملك بواسطة ذلك للفقير فلا يتمكن من رفعه، بخلاف من دفع لقضاء دين بظنه ولا دين فإنه لم يثبت فيه ملك المدفوع إليه فكان بسبيل من أن يسترده، وأما الصلاة فقد ثبت شرعا قبول ما هو منها للرفض إجماعا كما فى زيادة ما دون الركعة وتمام الركعة أيضا على الخلاف فلم يلزم لزومهما إذا ظهر عدم وجوبها، والحال أنه لم يفعلها إلا مسقطا والله سبحانه وتعالى أعلم .وسقوط الضمان عندنا بعارض الظن والأصل فى نفل البالغ الضمان، والعارض لا يعارض الأصل فاعتبر عارض الظن عدما فى حق المقتدى فاتحد حالهما فكان اقتداء المظنون بالمظنون نظرا إلى الأصل، وسقوط الوصف هنا بأمر أصلي وهو الصبا فلم يصح جعله معدوما فى حق المقتدى فلم يتحد حالهما كذا فى الكافى .وما نقل من المحسن من أن اختلافهم راجع إلى أن صلاة الصبى صلاة أم لا .فقيل لا، وإنما يؤمر بها تخلقا دل عليه لو صلت المراهقة بغير قناع جازت، وقيل نعم دل عليه لو قهقهت فيها أمرت بالوضوء فيه نظر، بل لو اتفق على أنها صلاة صح الخلاف، فإن دليل المانع يتناولها بتقدير كونها صلاة، نعم لو اتفق على أنها ليست صلاة لم يتأت، الخلاف فى عدم الجواز (فتح القدير، ج ا ص۳۵۷، الیٰ ۳۵۹، كتاب الصلاة، باب الامامة)

[1] عن نافع، عن ابن عمر قال: عرضت على رسول الله صلى الله عليه وسلم فى جيش وأنا ابن أربع عشرة فلم يقبلني، فعرضت عليه من قابل فى جيش وأنا ابن خمس عشرة فقبلني قال نافع: وحدثت بهذا الحديث عمر بن عبد العزيز، فقال: هذا حد ما بين الصغير والكبير، ثم كتب أن يفرض لمن يبلغ الخمس عشرة حدثنا ابن أبى عمر قال: حدثنا سفيان بن عيينة، عن عبيد الله بن عمر، عن نافع، عن ابن عمر، عن النبى صلى الله عليه وسلم نحو هذا، ولم يذكر فيه أن عمر بن عبد العزيز كتب أن هذا حد ما بين الصغير والكبير وذكر ابن عيينة فى حديثه: حدثت به عمر بن عبد العزيز، فقال: هذا حد ما بين الذرية والمقاتلة: هذا حديث حسن صحيح والعمل على هذا عند أهل العلم، وبه يقول سفيان الثورى، وابن المبارك، والشافعي، وأحمد، وإسحاق يرون أن الغلام

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بالغ ہونے میں قمری یعنی چاند کی تاریخوں اور سال کا اعتبار ہوتا ہے۔ لے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إذا استكمل خمس عشرة سنة فحكمه حكم الرجال، وإن احتلم قبل خمس عشرة فحكمه حكم الرجال وقال أحمد، وإسحاق: البلوغ ثلاثة منازل بلوغ خمس عشرة، أو الاحتلام فإن لم يعرف سنه ولا احتلامه فالإنبات يعنى العانة (سنن الترمذى، رقم الحديث ١٣٦١ ،أبواب الأحكام، باب ما جاء فى حد بلوغ الرجل والمرأة)

(بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال) والأصل هو الإنزال (والجارية بالاحتلام والحيض والحبل) ولم يذكر الإنزال صريحا لأنه قلما يعلم منها (فإن لم يوجد فيهما) شىء (فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى) (الدرالمختار مع ردالمحتار، ج٦، ص١٥٣، كتاب الحجر)

(بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال) والأصل هو الإنزال (والجارية بالاحتلام والحيض والحبل) ولم يذكر الإنزال صريحا لأنه قلما يعلم منها (فإن لم يوجد فيهما) شىء (فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى)(الدرالمختار مع ردالمحتار، ج٦، ص١٥٣، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام)

(قوله: فإن لم يوجد فيهما) أى فى الغلام والجارية شىء مما ذكر إلخ مفاده: أنه لا اعتبار لنبات العانة خلافا للشافعى، ورواية عن أبى يوسف، ولا اللحية، وأما نهود الثدى فذكر الحموى أنه لا يحكم به فى ظاهر الرواية، وكذا ثقل الصوت كما فى شرح النظم الهاملى أبو السعود وكذا شعر الساق والإبط والشارب) .قوله: به يفتى) هذا عندهما وهو رواية عن الإمام وبه قالت الأئمة الثلاثة، وعند الإمام حتى يتم له ثمانى عشرة سنة ولها سبع عشرة سنة (ردالمحتار، ج٦، ص١٥٣، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام)

لے وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ والضمير لكل واحد اى قدر مسير كل واحد منهما منازل -او قدر كل واحد منهما ذا منازل -او للقمر وتخصيصه بالذكر لمعائنة منازله واناطة احكام الشرع من الصوم والزكوة والحج به -ولذلک علله بقوله لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ يعدّ الأشهر المنوطة بسير القمر وَالْحِسابَ اى حساب الأوقات من الأشهر والأيام فى معاملاتكم وتصرفاتكمَ (التفسير المظهرى، ج٥، ص٩، سورة يونس، تحت آية ٥)

لتعلموا عدد السنين التى يتعلق بها غرض علمى لإقامة مصالحكم الدينية والدنيوية وَالْحِسابَ أى ولتعلموا الحساب بالأوقات من الأشهر والأيام وغير ذلک مما نيط به شىء من المصالح المذكورة (روح المعانى، ج٦، ص٦٧، سورة يونس، تحت آية ٥)

وقوله تعالى: والشمس والقمر حسبانا،الآية، وقوله فى هذه الآية الكريمة: وقدره أى القمر منازل لتعلموا عدد السنين والحساب فبالشمس تعرف الأيام وبسير القمر تعرف الشهور والأعوام(تفسير ابنِ كثير، ج٤، ص٢١٧، سورة يونس، تحت آية ٥)

قل هى مواقيت للناسِ والحج مطابقا مبينا للحكمة الظاهرة اللائقة بشأن التبليغ العام المذكرة لنعمة الله تعالى ومزيد رأفته سبحانه وهى أن يكون معالم للناس يوقتون بها أمورهم الدنيوية ويعلمون أوقات زروعهم ومتاجرهم ومعالم للعبادات الموقتة يعرف بها أوقاتها كالصيام والإفطار

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تراویح میں عورت کی امامت

چاروں فقہائے کرام یعنی امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور مام احمد بن حنبل رحمہم اللہ اس بات پر متفق ہیں کہ عورت کا مرد کی امامت کرنا جائز نہیں، اگر کوئی مرد کسی خاتون کی اقتداء میں نماز پڑھے تو اس مرد کی نماز درست نہیں ہوتی۔

اور اگر خواتین کسی عاقل بالغ خاتون کی اقتداء میں نماز پڑھیں، تو وہ نماز درست تو ہوجاتی ہے، لیکن آیا کہ ایسا کرنا خواتین کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، بعض جائز یا مستحب اور بعض مکروہ یا ناجائز قرار دیتے ہیں۔

امام شافعی اور راجح قول کے مطابق امام احمد رحمہما اللہ عورتوں کی جماعت کو جس میں عورت امام ہو، مستحب اور امام احمد ایک روایت کے مطابق جائز قرار دیتے ہیں۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس کو مکروہ قرار دیتے ہیں، جبکہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک عورت کی امامت کرنا بہر حال جائز نہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وخصوصا الحج، فإن الوقت مراعى فيه أداء وقضاء (روح المعانی، ج ۱، ص۴۶۷، سورة البقرة، تحت آية ۱۸۹)

(يسألونک عن الأهلة قل هى مواقيت للناس والحج)، فأعلمنا عز وجل أن الأهلة مواقيت لنا ولحجنا، ولما سوى ذلک مما نحتاج إلى الأوقات فيه من أمور ديننا من الصيام، والعدد، والإيلائات، وما أشبه ذلک (احکام القرآن للطحاوی، ج ۱، ص ۴۴۱، کتاب الصيام)

[1] المرصد الثانى :فى ذكر اختلاف المذاهب فى هذه المسألة:اعلم أنه وقع الاختلاف فى أنه هل جماعة النساء وحدهن مشروعة أم غير مشروعة:فذهب الشافعى إلى استحبابها، وهو قول الأوزاعى والثورى وأحمد، وحكاه ابن المنذر عن عائشة وأم سلمة .وقال النخعى والشعبى:تؤمهن فى النفل دون الفرض.وشذ أبو ثور والمزنى ومحمد بن جرير الطبرى فأجازوا إمامة النساء على الإطلاق للرجال وللنساء.وعند الحسن البصرى ومالک: لا تؤم المرأة أحدا لا فى فرض ولا فى نفل، كذا ذكره العينى فى (البناية)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہمیں دلائل میں غور وفکر کرنے سے راجح یہ معلوم ہوا کہ شریعت نے عورتوں کو جماعت کرنے کی تاکید اور ترغیب نہیں دی، بلکہ اُن کو اپنے گھروں میں نماز پڑھنے کی ترغیب دی ہے، نیز خیرُ القرون کے دور میں عورتوں کی امامت وجماعت کا طریقہ معروف اور رائج نہ تھا، البتہ بعض خواتین کی امامت کے چند واقعات کا روایات وآثار اور خیرُ القرون میں ذکر ملتا ہے، اور صحابہ وتابعین کے کئی آثار سے اس کی اجازت ملتی ہے، جن کے پیشِ نظر اگر کبھی کوئی عورت دوسری عورتوں کی امامت کرے، اور اُن کی امام درمیان میں کھڑی ہو، اور کوئی دوسری

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

والمشهور من مذاهب أصحابنا: أن جماعة النساء وحدهن مكروهة، وهو المذكور في كثير من الكتب الفقهية لأصحابنا الحنفية، وعللوا الكراهة بتعليلات متفرقة، وأجابوا عن الأخبار المذكورة بجوابات غير شافية(تحفة النبلاء في جماعة النساء للكنوى، ص٨، المرصدالثاني، مشمولة مجموعة رسائل اللكنوى، ج٥؛ مطبوعة ادارة القرآن كراتشي)

يشترط لإمامة الرجال أن يكون الإمام ذكرا، فلا تصح إمامة المرأة للرجال، وهذا متفق عليه بين الفقهاء ، لما ورد في الحديث أن النبي صلى الله عليه وسلم قال :أخروهن من حيث أخرهن الله والأمر بتأخيرهن نهي عن الصلاة خلفهن .ولما روى جابر مرفوعا :لا تؤمن امرأة رجلا ولأن في إمامتها للرجال افتتانا بها .أما إمامة المرأة للنساء فجائزة عند جمهور الفقهاء (وهم الحنفية والشافعية والحنابلة) واستدل الجمهور لجواز إمامة المرأة للنساء بحديث أم ورقة أن النبي صلى الله عليه وسلم أذن لها أن تؤم نساء أهل دارها.لكن كره الحنفية إمامتها لهن، لأنها لا تخلو عن نقص واجب أو مندوب، فإنه يكره لهن الأذان والإقامة، ويكره تقدم المرأة الإمام عليهن .فإذا صلت النساء صلاة الجماعة بإمامة امرأة وقفت المرأة الإمام وسطهن.

أما المالكية فلا تجوز إمامة المرأة عندهم مطلقا ولو لمثلها في فرض أو نفل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦، ص٢٠٥، و٢٠٦، مادة" إمام")

ذهب المالكية إلى أن الذكورة شرط لإمامة الصلاة، وأنه لا يجوز أن تؤم المرأة رجلا ولا امرأة مثلها، سواء كانت الصلاة فريضة أو نافلة، وسواء عدمت الرجال أو وجدت لحديث :لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة. وتبطل صلاة المأموم دون المرأة التي صلت إماما فتصح صلاتها.

ووافقهم الحنفية والشافعية والحنابلة والفقهاء السبعة -من فقهاء المدينة -في منع إمامتها للرجال، لما روى جابر رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال :خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال :لا تؤمن امرأة رجلا ، إلا أنهم خالفوا المالكية في مسألة إمامة المرأة للنساء فيرون أن هذا جائز، والحنفية يرون كراهة إمامتها للنساء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢١، ص٢٦٦، مادة"ذكورة")

خرابی بھی لازم نہ آئے، تو فی نفسہ اس کی گنجائش ہے۔

اس کو مکروہ تحریمی قرار دینا محلِ نظر ہے، البتہ زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی، یا خلافِ اولیٰ کے طور پر جائز قرار دیا جاسکتا ہے، جس میں گناہ لازم نہیں آتا، جبکہ بلاضرورت ایسا کیا جائے۔

اور اگر کسی ضرورت سے ایسا کرے، تو پھر بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔

اسی بناء پر اگر کوئی حافظہ عورت کو قرآن مجید حفظ یاد رکھنے کی غرض سے عورتوں کی تراویح میں امامت کرے، تو جائز ہے، جس کی بعض اہلِ افتاء حضرات نے بھی گنجائش دی ہے۔

البتہ ایسی صورت میں عورتوں ہی کو مقتدی بن کر شرکت کرنا جائز ہوگا، اور عورت کو مرد امام کی طرح، آگے کھڑے ہونے کے بجائے، درمیان میں کھڑا ہونا چاہئے۔

اور عورت کو اپنی آواز کو نامحرم تک پہنچانے سے بھی بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

ایسی صورت میں حافظِ قرآن عورت کی اقتداء میں دوسری قرآن سُننے والی عورت کا ضرورت پڑنے پر اپنی امام کو لقمہ دینا بھی جائز ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، ہمارا رسالہ ''خواتین کی امامت وجماعت کا شرعی حکم'' مشمولہ: علمی وتحقیقی رسائل، جلد 10)

تراویح میں عورت کا، مرد امام کو لقمہ دینا

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ عورت کا، مرد کی مقتدی بن کر تراویح پڑھنا جائز ہے۔

اگر کوئی عورت، مرد کی مقتدی بن کر تراویح پڑھے، اور وہ حافظِ قرآن ہو، تو امام کو متشابہ لگنے کے بعد، لقمہ دینے کے متعلق سوال پیش آتا ہے، تو اس کے جواب میں عرض ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ازواجِ مطہرات کو بات کرتے وقت آواز میں نرمی و لطافت پیدا کرنے سے منع کیا ہے، اور اس کی وجہ یہ بتلائی گئی ہے کہ اس کی وجہ سے جس کے دل میں مرض ہو، اس کو اس طرح کی آواز میں خاص کشش کی وجہ سے، نفسانی خواہش اور شہوت پیدا ہوگی اور فتنہ لازم آئے گا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَـانِسَـاءَ الـنَّبِـيِّ لَسْتُـنَّ كَـأَحَـدٍ مِّنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَـلَا تَخْضَعْنَ بِـالْـقَـوْلِ فَيَـطْـمَـعَ الَّـذِىْ فِـىْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (سورة الاحزاب، رقم الآية ٣٢)

ترجمہ: اے نبی کی عورتو! نہیں ہو تم عورتوں میں سے کسی کی طرح (کی عام عورتیں) اگر تم تقویٰ اختیار کرو، تو نرمی نہ کرو بات کرتے وقت، پس طمع کرے گا وہ شخص جس کے دل میں مرض ہے، اور کہا کرو تم مناسب بات (سورہ احزاب)

اس آیت سے بہت سے مفسرین اور اہلِ علم حضرات نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ عورت کو اپنی آواز میں ایسا نرمی اور کشش والا انداز اختیار کرنا منع ہے، جس سے سننے والے کے دل میں فتنہ پیدا ہو۔ [1]

---

[1] ومعنى لا تخضعن بالقول لا تجبن بقولكن خاضعا أى لينا خنثا على سنن كلام المريبات والمومسات، وحاصله لا تلن الكلام ولا ترققنه، وهذا على ما قيل فى غير مخاطبة الزوج ونحوه كخاطبة الأجانب وإن كن محرمات عليهم على التأبيد(تفسير روح المعانى، ج ١١ ص١٨٧، سورة الاحزاب)

فلا تخضعن بالقول أى لا تلن بالقول للرجال ولا ترققن الكلام فيطمع الذى فى قلبه مرض أى فجور وشهوة وقيل نفاق والمعنى لا تقلن قولا يجد المنافق والفاجر به سبيلا إلى الطمع فيكن والمرأة مندوبة إلى الغلظة فى المقال إذا خاطبت الأجانب لقطع الأطماع فيهن (تفسير الخازن، ج٣ص ٤٢٤، سورة الاحزاب)

قوله تعالى: "فيطمع "بالنصب على جواب النهى ".الذى فى قلبه مرض "أى شك ونفاق، عن قتادة والسدى .وقيل: تشوف الفجور، وهو الفسق والغزل، قاله عكرمة .وهذا أصوب، وليس للنفاق مدخل فى هذه الآية .وحكى أبو حاتم أن الأعرج قرأ "فيطمع "بفتح الياء وكسر الميم. النحاس: أحسب هذا غلطا، وأن يكون قرأ "فيطمع "بفتح الميم 3 وكسر العين بعطفه على " تخضعن "فهذا وجه جيد حسن .ويجوز "فيطمع "بمعنى فيطمع الخضوع أو القول(تفسير القرطبى، ج ١٤ ص١٧٧، سورة الاحزاب)

قوله تعالى فلا تخضعن بالقول فيطمع الذى فى قلبه مرض قيل فيه أن لا تلين القول للرجال على وجه يوجب الطمع فيهن من أهل الريبة وفيه الدلالة على أن ذلك حكم سائر النساء فى نهيهن عن إلانة القول للرجال على وجه يوجب الطمع فيهن ويستدل به على رغبتهن فيهم والدلالة على أن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس کے علاوہ عورتوں کو مرد حضرات کے ساتھ جماعت میں شامل ہو کر نماز پڑھنے کی صورت میں امام سے غلطی ہونے پر اپنی آواز سے آگاہ کرنے کے بجائے، ہتھیلی پر ہتھیلی مارنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

نیز احادیث میں کانوں کے زنا کا بھی ذکر آیا ہے اور بتلایا گیا ہے کہ کانوں کا زنا کانوں سے شہوت کی باتیں سننا ہے۔ [1]

جس کی بنا پر محدثین نے عورت کی آواز کے اس صورت میں سننے کو ممنوع قرار دیا ہے، جب اس کے سننے پر شہوت ابھرے اور فتنہ پیدا ہو۔ [2]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الأحسن بالمرأة أن لا ترفع صوتها بحيث يسمعها الرجال وفيه الدلالة على أن المرأة منهية عن الأذان وكذلك قال أصحابنا وقال الله تعالى فى آية أخرى ولا يضربن بأرجلهن ليعلم ما يخفين من زينتهن فإذا كانت منهية عن إسماع صوت خلخالها فكلامها إذا كانت شابة تخشى من قبلها الفتنة أولى بالنهى عنه(احكام القرآن للجصاص، ج۵ص ۲۲۹، سورة الاحزاب)

[1] عن سهل بن سعد رضى الله عنه، قال: قال النبى صلى الله عليه وسلم: التسبيح للرجال، والتصفيح للنساء(بخارى، رقم الحديث ۱۲۰۴)

عن أبى هريرة رضى الله عنه، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: التسبيح للرجال، والتصفيق للنساء(بخارى، رقم الحديث ۱۲۰۳)

عن أبى هريرة، عن النبى صلى الله عليه وسلم، قال: كتب على ابن آدم نصيبه من الزنا، مدرك ذلك لا محالة، فالعينان زناهما النظر، والأذنان زناهما الاستماع، واللسان زناه الكلام، واليد زناها البطش، والرجل زناها الخطا، والقلب يهوى ويتمنى، ويصدق ذلك الفرج ويكذبه(مسلم، رقم الحديث ۲۶۵۷"۲۱")

[2] (والأذنان) : بضم الذال، وتسكن (زناهما الاستماع) أى: إلى كلام الزانية أو الواسطة، فهو حظهما ولذتهما به .قال ابن حجر أى: إلى صوت المرأة الأجنبية مطلقا بناء على أنه عورة، أو بشرط الفتنة بناء على الأصح أنه ليس بعورة(مرقاة المفاتيح، ج ۱ ص ۱۵۹، كتاب الايمان، باب الإيمان بالقدر)

واحتج أهل المقالة الأولى أن التسبيح إنما كره للنساء، لأن صوت المرأة فتنة، ولهذا منعت من الأذان، والإقامة، والجهر بالقرائة فى الصلاة، واحتجوا بما رواه حماد بن زيد، عن أبى حازم، عن سهل بن سعد، فى هذا الحديث أن النبى، (صلى الله عليه وسلم) ، قال: (من نابه شىء فى صلاته فليسبح الرجال، ولتصفح النساء)(شرح صحيح البخارى لابنِ بطال، ج۳ص ۱۹۳، ابواب تقصير الصلاة، باب التصفيق للنساء)

البتہ اسی کے ساتھ بعض احادیث میں عورت کی خوش آوازی کے ساتھ اس کی آواز کو سننے کی گنجائش بھی آئی ہے۔ [1]

اس صورتِ حال کے پیشِ نظر بعض حضرات نے، اگرچہ عورت کی آواز کو ستر میں داخل قرار دے دیا ہے، جس کا نامحرم سے بہرحال پردہ ضروری ہوتا ہے، اور اسی قول کی بناء پر وہ اگر نماز میں اونچی آواز سے قرائت یا تکبیر وغیرہ کہے، تو اس کی نماز فاسد ہوجاتی ہے۔

لیکن محققین کی رائے یہ ہے کہ عورت کی آواز ستر میں داخل نہیں۔ [2]

لیکن اس کے باوجود، عورت کی اس طرح کی آواز کا نامحرم کو سننا جائز نہیں، جس میں اس

---

[1] (وعن بريدة) : بالتصغير (قال: خرج رسول الله – صلى الله عليه وسلم – فى بعض مغازيه) أى: أزمنة غزواته (فلما انصرف جائته) أى: النبى – صلى الله عليه وسلم – وفى نسخة جائت (جارية سوداء فقالت: يا رسول الله إنى كنت نذرت إن ردك الله صالحا) أى: منصورا وفى رواية: سالما (أن أضرب بين يديك) أى: قدامك وفى حضورك (بالدف) : بضم الدال وتشديد الفاء وهو أفصح وأشهر، وروى الفتح أيضا هو ما يطبل به، والمراد به الدف الذى كان فى زمن المتقدمين، وأما ما فيه الجلاجل، فينبغى أن يكون مكروها اتفاقا، وفيه دليل على أن الوفاء بالنذر الذى فيه قربة واجب والسرور بمقدمه – صلى الله عليه وسلم – قربة، سيما من الغزو الذى فيه تهلك الأنفس، وعلى أن الضرب بالدف مباح وفى قوله: (وأتغنى) : دليل على أن سماع صوت المرأة بالغناء مباح إذا خلا عن الفتنة(مرقاة المفاتيح، ج ۹ ص ۳۹۰۲، كتاب المناقب والفضائل، باب مناقب عمر رضى الله عنه)

[2] صوت المرأة عند الجمهور ليس بعورة؛ لأن الصحابة كانوا يستمعون إلى نساء النبى صلى الله عليه وسلم لمعرفة أحكام الدين، لكن يحرم سماع صوتها بالتطريب والتنغيم ولو بتلاوة القرآن، بسبب خوف الفتنة.

وعبارة الحنفية: الراجح أن صوت المرأة ليس بعورة(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج ۱ ص ۷۵۵، القسم الاول، الباب الثانى، الفصل الرابع)

أما صوت المرأة فليس بعورة عند الشافعية .ويجوز الاستماع إليه عند أمن الفتنة ، وقالوا: وندب تشويهه إذا قرع بابها فلا تجيب بصوت رخيم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۱ ص ۴۷، مادة "عورة")

ولا يظن من لا فطنة عنده أنا إذا قلنا صوت المرأة عورة أنا نريد بذلك كلامها، لأن ذلك ليس بصحيح، فإذا نجيز الكلام مع النساء للأجانب ومحاورتهن عند الحاجة إلى ذلك، ولا نجيز لهن رفع أصواتهن ولا تمطيطها ولا تليينها وتقطيعها لما فى ذلك من استمالة الرجال إليهن وتحريك الشهوات منهم، ومن هذا لم يجز أن تؤذن المرأة .اهـ .قلت :ويشير إلى هذا تعبير النوازل بالنغمة(رد المحتار على الدر المختار، ج ۱ ،ص ۴۰۶،باب شروط الصلاة)

عورت کی طرف کشش پیدا ہو، خواہ قرآن مجید کی تلاوت ہو، یا نظم ونعت وغیرہ۔ [1]

اسی بناء پر عورت کی اذان کو ممنوع قرار دیا گیا ہے، کیونکہ اس میں ترنم ہوتا ہے، جس کو سُن کر نامحرم کے دل میں شہوت ابھرتی ہے۔

لہٰذا عورت کی نعت، یا تلاوت وغیرہ، جو اس انداز کی ہو کہ اس کو سُن کر شہوت ابھرتی ہو، تو اس کا نامحرم کو سننا جائز نہیں۔

ہمارے نزدیک یہی قول راجح ہے۔ واللہ اعلم ۔ [2]

---

[1] سامع صوت المرأة إن كان يتلذذ به أو خاف على نفسه فتنة حرم عليه استماعه وإلا فلا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٥ ص ٢٤٦ ، مادة "سماع")

استماع صوت المرأة:

إذا كان مبعث الأصوات هو الإنسان، فإن هذا الصوت إما أن يكون غير موزون ولا مطرب، أو يكون مطربا.

فإن كان الصوت غير مطرب، فإما أن يكون صوت رجل أو صوت امرأة، فإن كان صوت رجل: فلا قائل بتحريم استماعه .

أما إن كان صوت امرأة، فإن كان السامع يتلذذ به، أو خاف على نفسه فتنة حرم عليه استماعه، وإلا فلا يحرم،ويحمل استماع الصحابة رضوان الله عليهم أصوات النساء حين محادثتهن على هذا، وليس للمرأة ترخيم الصوت وتنغيمه وتليينه، لما فيه من إثارة الفتنة، وذلك لقوله تعالى: (فلا تخضعن بالقول فيطمع الذى فى قلبه مرض)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٤ص٩٠ ، مادة " استماع")

[2] وصرح فى النوازل بأن نغمة المرأة عورة وبنى عليه أن تعلمها القرآن من المرأة أحب إلى من تعلمها من الأعمى ولهذا قال – صلى الله عليه وسلم – التسبيح للرجال والتصفيق للنساء فلا يجوز أن يسمعها الرجل ومشى عليه المصنف فى الكافى فقال ولا تلبى جهرا؛ لأن صوتها عورة ومشى عليه صاحب المحيط فى باب الأذان وفى فتح القدير وعلى هذا لو قيل إذا جهرت بالقرآن فى الصلاة فسدت كان متجها .اهـ.

وفى شرح المنية الأشبه أن صوتها ليس بعورة، وإنما يؤدى إلى الفتنة كما علل به صاحب الهداية وغيره فى مسألة التلبية ولعلهن إنما منعن من رفع الصوت بالتسبيح فى الصلاة لهذا المعنى ولا يلزم من حرمة رفع صوتها بحضرة الأجانب أن يكون عورة كما قدمناه(البحر الرائق،، ج ا ص ٢٨٥ ،كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة)

(قوله: وبنى عليه أن تعلمها القرآن من المرأة أحب إلى إلخ) قال فى النهر فيه تدافع إلا أن يكون معنى التعلم أن تسمع منه فقط لكن حينئذ لا يظهر البناء عليه .اهـ.

أقول: التدافع مدفوع وذلك لأن المعنى أحب إلى كونه مختارا لى وذلك لا يستلزم تجويز غيره

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور جب محققین کے نزدیک، عورت کی آواز ستر میں داخل نہیں، تو نماز میں اونچی آواز سے قرائت کرنے یا تکبیر وغیرہ کہنے سے، اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی، البتہ بلاضرورت اس کو ایسا عمل اختیار کرنا، پسندیدہ نہیں ہوگا، بالخصوص جبکہ اس کی آواز نامحرم لوگوں کے کانوں میں جائے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بل اختياره إياه يقتضى عدم تجويز غيره، وقد يقال المراد بالنغمة ما فيه تمطيط وتليين لا مجرد الصوت وإلا لما جاز كلامها مع الرجال أصلا لا فى بيع ولا غيره وليس كذلك ولما كانت القرائة مظنة حصول النغمة معها منعت من تعلمها من الرجل ويشهد لما قلنا ما فى إمداد الفتاح عن خط شيخه العلامة المقدسى ذكر الإمام أبو العباس القرطبى فى كتابه فى السماع ولا يظن من لا فطنة عنده أنا إذا قلنا صوت المرأة عورة أنا نريد بذلك كلامها؛ لأن ذلك ليس بصحيح فإنا نجيز الكلام مع النساء الأجانب ومحاورتهن عند الحاجة إلى ذلك ولا نجيز لهن رفع أصواتهن ولا تمطيطها ولا تليينها وتقطيعها لما فى ذلك من استمالة الرجال إليهن وتحريك الشهوات منهم ومن هذا لم يجز أن تؤذن المرأة .اهـ.

وهذا يفيد أن العورة رفع الصوت الذى لا يخلو غالبا عن النغمة لا مطلق الكلام فلما كانت القرائة لا تخلو عن ذلك قال أحب إلى فليتأمل(منحة الخالق على البحر الرائق، ج ١ ص ٢٨٥، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة)

قوله:" إن صوتها عورة "هو ما فى النوازل وجرى عليه فى المحيط والكافى حيث عللا عدم جهرها بالتلبية بأن صوتها عورة قال فى الفتح وعلى هذا لو قيل إذا جهرت بالقرائة فى الصلاة فسدت كان متجها لكن قال ابن أمير حاج الأشبه أنه ليس بعورة وإنما يؤدى إلى الفتنة واعتمده فى النهر أفاده السيد وظاهر هذا ان الخلاف فى الجهر بالصوت فقط لا فى تمطيطه وتليينه وهو ينافى ما قاله المصنف ونقله المقدسى عن أبى العباس القرطبى فى كتابه فى السماع ونصه ولا يظن من لا فطنة له أنا إذا قلنا صوت المرأة عورة أنا نريد بذلك كلامها لأن ذلك ليس بصحيح فإنا نجيز الكلام من النساء الأجانب ومحاورتهن عند الحاجة إلى ذلك ولا نجيز لهن رفع أصواتهن ولا تمطيطها ولا تليينها وتقطيعها لما فى ذلك من استمالة الرجال إليهن وتحريك الشهوات منهن ومن هذا لم يجز أن تؤذن المرأة اهـ(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص ٢٤٢، كتاب الصلاة، فصل فى متعلقات الشروط وفروعها)

تؤمر المرأة بخفض الصوت فى التلبية، وبخفض الصوت فى أذكار الصلوات الفريضة إذا صلين مع الجماعة، وذلك لأن إظهار المرأة صوتها يخشى منه أن يتعلق بصوتها أحد من الرجال يسمعه، فيحصل بذلك فتنة، ولهذا قلنا :إنه لا بأس برفع المرأة صوتها فى حضرة الرجال، ما لم تخش الفتنة، أما الخضوع بالقول فهذا حرام بكل حال(مجموع فتاوى ورسائل فضيلة الشيخ محمد بن صالح العثيمين،جز ٢٤،ص ٥٢)

لیکن چونکہ عورت کی آواز کا اس کے شوہر اور محرم کو سننا گناہ نہیں، اس لیے اگر تراویح میں حافظہ عورت، مقتدی بن کر اپنے شوہر یا محرَم کو لقمہ دے، تو جائز ہے۔ [1]

البتہ اگر وہاں کوئی نامحرم موجود ہو، تو عورت کی آواز اس تک پہنچنے کے طرزِ عمل سے پرہیز کرنا چاہیے، اگرچہ اس صورت میں بھی نہ تو لقمہ دینے والی عورت کی نماز فاسد ہوگی، اور نہ ہی امام کی نماز فاسد ہوگی۔

دو یا زیادہ افراد یا عورت کے ساتھ نماز باجماعت کا طریقہ

گھر میں فرض نماز پڑھنے والے کے لیے، خواہ وہ جماعت سے نماز پڑھے، اس کو اذان دینے کی تاکید نہیں، بلکہ اس کے لیے محلّہ کی اذان ہی کافی ہے، البتہ اگر اذان دے کر، اور اقامت کہہ کر نماز پڑھی جائے، تو بہتر ہے، تاکہ اذان واقامت کے ذریعے، جماعت کی مشابہت حاصل ہوجائے، خواہ گھر میں بغیر جماعت کے تنہا کوئی شخص فرض نماز پڑھ رہا ہو، تب بھی اذان دینا بہتر ہے۔

اور گھر میں جماعت کے ساتھ فرض نماز پڑھنے کی صورت میں، اقامت کہنا سنت ہے۔ [2]

---

[1] سماع صوت المرأة بالغناء مباح إذا خلا عن الفتنة(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج ۲، ص ۲۹۰۲، كتاب المناقب والفضائل، باب مناقب عمر رضى الله عنه)

[2] (قوله :لا لمصل فى بيته فى المصر) أى لا يكره تركهما له والفرق بينهما أن المقيم إذا صلى بدونهما حقيقة فقد صلى بهما حكما؛ لأن المؤذن نائب عن أهل المحلة فيهما فيكون فعله كفعلهم(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج ۱، ص ۲۷۹، باب الأذان)

(فإن صلى فى بيته فى المصر يصلى بأذان وإقامة ليكون الأداء على هيئة الجماعة) ش :بالأذان والإقامة م :(وإن تركهما جميعا جاز) ش :أى وإن ترك المصلى فى بيته الأذان والإقامة جميعا جاز، لأن مؤذن الحى نائب عن أهل المحلة فى الأذان والإقامة لأنهم هم الذين نصبوه لها فكان أذانه وإقامته كأذان الكل وإقامتهم(البناية شرح الهداية، ج ۲، ص ۱۱۶، باب الأذان)

وندب الأذان والإقامة للمسافر والمقيم فى بيته(الفتاوى الهندية، ج ۱، ص ۵۳، كتاب الصلاة، الباب الثانى، الفصل الأول)

ويكره أداء المكتوبة بالجماعة فى المسجد بغير أذان وإقامة .كذا فى فتاوى قاضى خان ولا يكره

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور عام فرض نماز باجماعت اور تراویح کی جماعت کا ثواب، گھر وغیرہ میں دو افراد سے بھی حاصل ہوجاتا ہے، خواہ دوسرا فرد، عاقل، بالغ مرد ہو، یا سمجھدار بچہ ہو، یا ایک عورت ہو۔ [1]

پھر اگر دو مرد جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں، خواہ ان میں ایک سمجھدار بچہ ہو، تو مقتدی کا امام کے دائیں جانب کھڑا ہونا سنت ہے۔

اور اگر ایک مرد ہو، اور دوسری عورت ہو، تو عورت، مرد امام کے پیچھے کھڑی ہوگی۔

اور اگر امام کے علاوہ دو یا زیادہ افراد ہوں، تو وہ حسبِ معمول امام کے پیچھے کھڑے ہوں گے۔

اور اگر امام کے علاوہ ایک مرد یا سمجھدار بچہ ہو، اور ایک عورت ہو، تو مرد یا بچہ، امام کے دائیں جانب کھڑا ہوگا، اور عورت، مرد کے پیچھے الگ کھڑی ہوگی۔

اور اگر مقتدی ایک سے زیادہ مرد، اور ایک سے زیادہ عورتیں ہوں، تو مرد اگلی صف میں کھڑے ہوں گے، اور عورتیں ان کے پیچھے الگ صف میں کھڑی ہوں گی۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تركهما لمن يصلى فى المصر إذا وجد فى المحلة ولا فرق بين الواحد والجماعة .هكذا فى التبيين والأفضل أن يصلى بالأذان والإقامة كذا فى التمرتاشي وإذا لم يؤذن فى تلك المحلة يكره له تركهما ولو ترك الأذان وحده لا يكره كذا فى المحيط ولو ترك الإقامة يكره .كذا فى التمرتاشي(الفتاوى الهندية، ج ا ،ص ۵۴، كتاب الصلاة،الباب الثانى،الفصل الأول)

[1] ويحصل فضل الجماعة بواحد ولو صبيا يعقل أو امرأة ولو فى البيت مع الإمام وأما الجمعة فيشترط ثلاثة أو اثنان كما سنذكره(مراقى الفلاح شرح متن نور الإيضاح،ص ۱۰۹)

والجماعة فى اللغة الفرقة المجتمعة وشرعا الإمام مع واحد سواء كان رجلا أو امرأة حرا أو عبدا أو صبيا يعقل أو ملكا أو جنيا فى مسجد أو غيره وفى القنية الأصح أن إقامتها فى البيت كإقامتها فى المسجد وإن تفاوتت الفضيلة(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح،ص ۸۶،باب الإمامة)

[2] إذا انعقدت الجماعة بأقل ما تنعقد به (واحد مع الإمام) فالسنة أن يقف المأموم عن يمين الإمام إذا كان رجلا أو صبيا يعقل.

فإن كانت امرأة أقامها خلفه، ولو كان مع الإمام اثنان، فإن كانا رجلين أقامهما خلفه، وإن كانا رجلا وامرأة أقام الرجل عن يمينه والمرأة خلف الرجل.

ولو كانت الجماعة كثيرة وفيهم رجال ونساء وصبيان قام الرجال فى الصفوف الأولى خلف الإمام، ثم قام الصبيان من وراء الرجال، ثم قام النساء من وراء الصبيان.

وفى جماعة النساء تقف التى تؤم النساء وسطهن.

ولا يجوز أن يتأخر الإمام عن المأمومين فى الموقف، ولا يكون موقف الإمام أعلى من موقف المقتدين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷،ص ۱۸۲ ،مادة،صلاة الجماعة)

یہ بھی یاد رہے کہ عورت کا اذان دینا، اور مرد کی جماعت کے لیے عورت کا اقامت کہنا جائز نہیں۔

ایسی صورت میں جب ایک مرد ہو، اور دوسری عورت ہو، یا ایک سے زیادہ عورتیں ہوں، تو مرد کو جماعت سے پہلے، خود اقامت کہہ لینی چاہیے، اور پھر نماز پڑھانی چاہیے، جیسا کہ گھر میں تنہا نماز پڑھنے والے کو بھی خود اذان دے کر، اقامت کہہ لینا بہتر ہے۔ [1]

فقط

وَاللہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ .

محمد رضوان خان

29/شعبان المعظم/1441ھ 23/اپریل/2020 بروز جمعرات

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

---

[1] اتفق الفقهاء على عدم جواز أذان المرأة وإقامتها لجماعة الرجال، لأن الأذان فى الأصل للإعلام، ولا يشرع لها ذلك، والأذان يشرع له رفع الصوت، ولا يشرع لها رفع الصوت، ومن لا يشرع فى حقه الأذان لا يشرع فى حقه الإقامة.

وأما إذا كانت منفردة أو فى جماعة النساء ففيه اتجاهات.

الأول :الاستحباب .وهو قول المالكية والشافعية، وهى رواية عند الحنابلة.

الثانى :الإباحة .وهى رواية عن أحمد.

الثالث :الكراهة .وهو قول الحنفية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦،ص ٩ ،مادة،إقامة)

(ضمیمہ)

تراویح میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا، یا سننا

سوال

محترم جناب مفتی صاحب آج کل بعض لوگ تراویح میں قرآن مجید کو دیکھ کر قرائت یا سماعت کرتے ہیں۔

عرب ممالک میں اس کا بہت رواج ہے، اور ہمارے ملک میں بھی بعض لوگ اس طرزِ عمل کو اختیار کرتے ہیں۔

جب اُن سے اس بارے میں معلوم کیا جاتا ہے، تو وہ کہتے ہیں کہ بہت سے فقہاء کے نزدیک اس طرح کرنا جائز ہے۔

جبکہ ہم نے بہت سے علماء سے سنا ہے کہ نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے۔

اس بارے میں آپ سے رہنمائی کی درخواست ہے۔

اور آج کل ملکی حالات کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو گھروں میں نمازِ تراویح پڑھنی پڑ رہی ہے، جس کی وجہ سے حسبِ منشاء حفاظِ قرآن کا میسر آنا مشکل ہورہا ہے۔

ایسے حالات میں کیا ہمارے لیے ایسی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے، برائے کرم رمضان شروع ہونے سے قبل اس کے متعلق اپنی رائے سے آگاہ فرمائیں، اور ہمارے لیے گنجائش کا کوئی راستہ ہو، تو ضرور بتائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جواب

اس وقت ماہِ رمضان کا آغاز بالکل قریب ہے، اور آپ کو موجودہ حالات میں مذکورہ مسئلہ پر بندہ کی رائے مطلوب ہے۔

مذکورہ مسئلہ، چونکہ تحقیق طلب ہے، اور اب اس پر زیادہ تفصیل سے کلام کا موقع نہیں، اس لیے ان شاء اللہ تفصیلی کلام تو کسی دوسرے موقع پر کیا جاسکے گا۔

فی الحال فقہائے کرام کی آراء کی روشنی میں بتعجیل آپ کے لیے بقدرِ ضرورت تحریر کیا جاتا ہے۔

جس کے آخر میں ان شاء اللہ تعالیٰ اپنے رُجحان کا بھی ذکر کردیا جائے گا۔

تو جاننا چاہئے کہ نماز کے اندر اور بطورِ خاص تراویح کی نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے اور مقتدی کے قرآن کو دیکھ کر سُننے کے بارے میں فقہائے کرام کے اقوال مختلف ہیں۔

ذیل میں اس کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے کے متعلق اقوالِ فقہاء

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک، نماز پڑھتے ہوئے کو قرآن مجید میں دیکھ کر قرائت کرنا جائز نہیں، اور ان کے نزدیک اس طرح کرنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، خواہ قرآن مجید دیکھ کر، امام قرائت کرے، یا مقتدی قرائت کرے، یا منفرد قرائت کرے۔

لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے دو مشہور شاگرد ''امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ'' کے نزدیک، نماز میں دیکھ کر قرآن مجید پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، البتہ ان کے نزدیک یہ عمل مکروہ ہے، کیونکہ اس عمل میں اہلِ کتاب کے ساتھ تشبہ پایا جاتا ہے۔

پھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک، نمازی کو قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے سے، نماز فاسد ہونے

کی وجہ کیا ہے؟ اس میں حنفیہ کا اختلاف ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کو اٹھانا اور اس میں دیکھنا، اور ورق گردانی کرنا، عملِ کثیر ہے، اور عملِ کثیر سے نماز فاسد ہو جایا کرتی ہے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک، نماز میں قرآن مجید دیکھ کر قرائت کرنے سے نماز فاسد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ قرآن مجید سے تلقن و تعلُّم حاصل کرنا ہے، پس یہ ایسا ہی ہے، جیسا کہ نماز پڑھنے والا، نماز کے باہر والے شخص سے تعلُّم اور لقمہ حاصل کرے۔ [1]

اور مالکیہ کے نزدیک نمازی کو قرآن مجید دیکھ کر قرائت کرنا مکروہ ہے، البتہ ان کے نزدیک، تراویح اور دیگر نفل نمازوں میں اور بطورِ خاص ان کی بھی پہلی رکعت میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا مکروہ نہیں۔

اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک، نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا، جائز ہے۔

اور امام ابو یوسف اور امام محمد کی طرح مذکورہ تینوں فقہائے مجتہدین کے نزدیک بھی قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ [2]

---

[1] وتبطل الصلاة عند أبی حنيفة بالقراء ة فی مصحف لسببين:
أحدهما ـ أن حمل المصحف والنظر فيه وتقليب الأوراق عمل كثير.
والثانی ـ أن تلقن من المصحف كما تلقن من غيره، وجوزه الصاحبان بالكراهة، وجوزه الشافعی وأحمد بلا كراهة(الفِقْهُ الإسلاميُّ وأدلَّتُهُ، ج۲،ص ۱۰۳۲ ، ۱۰۳۳ ،القسم الاول، الباب الثانی، الفصل السابع)

[2] القراء ة من المصحف فی الصلاة:
ذهب الشافعية والحنابلة إلی جواز القراء ة من المصحف فی الصلاة، قال أحمد :لا بأس أن يصلی بالناس القيام وهو ينظر فی المصحف، قيل له :الفريضة؟ قال :لم أسمع فيها شيئا.
وسئل الزهری عن رجل يقرأ فی رمضان فی المصحف، فقال :كان خيارنا يقرء ون فی المصاحف.
وفی شرح روض الطالب للشيخ زكريا الأنصاری :قرأ فی مصحف ولو قلب أوراقه أحيانا لم تبطل - أی الصلاة -لأن ذلک يسير أو غير متوال لا يشعر بالإعراض، والقليل من الفعل الذی يبطل كثيره إذا تعمده بلا حاجة مكروه .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے سے، نماز فاسد ہونے کا قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے، باقی تینوں فقہائے کرام یعنی امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل، اور امام ابوحنیفہ کے دو مشہور شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ، ان سب فقہائے کرام کے نزدیک محض قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، البتہ بعض حضرات کے نزدیک مکروہ ہوتی ہے، جس سے مکروہ تنزیہی، مراد ہے، اور اس میں کوئی گناہ لازم نہیں آیا کرتا۔

اور عام فرض نمازوں کے مقابلے میں چونکہ تراویح اور نفل نمازوں میں طویل قراءت کی جاتی ہے، اور تراویح میں عام طور پر پورا قرآن مجید پڑھا اور سنا جاتا ہے، اس لئے جائز قرار دینے والے حضرات میں سے بہت سے حضرات نے ان نمازوں، اور خاص کر تراویح کی نماز میں دفعِ حرج کی وجہ سے دیکھ کر قرآن مجید پڑھنے، یا سُننے کی زیادہ گنجائش دی ہے۔

کئی روایات وآثار سے بھی خاص تراویح میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے، اور سُننے کا ثبوت اور

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وكره المالكية القراء ة من المصحف فى صلاة الفرض مطلقا سواء كانت القراء ة فى أوله أو فى أثنائه، وفرقوا فى صلاة النفل بين القراء ة من المصحف فى أثنائها وبين القراء ة فى أولها، فكرهوا القراءة من المصحف فى أثنائها لكثرة اشتغاله به، وجوزوا القراء ة من غير كراهة فى أولها؛ لأنه يغتفر فيها ما لا يغتفر فى الفرض.

وذهب أبو حنيفة إلى فساد الصلاة بالقراء ة من المصحف مطلقا، قليلا كان أو كثيرا إماما أو منفردا أميا لا يمكنه القراء ة إلا منه أو لا، وذكروا لأبى حنيفة فى علة الفساد وجهين:

أحدهما :أن حمل المصحف والنظر فيه وتقليب الأوراق عمل كثير، والثانى أنه تلقن من المصحف فصار كما لو تلقن من غيره، وعلى الثانى لا فرق بين الموضوع والمحمول عنده، وعلى الأول يفترقان.

واستثنى من ذلك ما لو كان حافظا لما قرأه وقرأ بلا حمل فإنه لا تفسد صلاته؛ لأن هذه القراء ة مضافة إلى حفظه لا إلى تلقنه من المصحف ومجرد النظر بلا حمل غير مفسد لعدم وجهى الفساد.

وقيل :لا تفسد ما لم يقرأ آية؛ لأنه مقدار ما تجوز به الصلاة عنده.

وذهب الصاحبان -أبو يوسف ومحمد -إلى كراهة القراء ة من المصحف إن قصد التشبه بأهل الكتاب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٣، ص ٥٨، مادة "قراء ة")

ذکر ملتا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ [1]

---

[1] القراء ة من المصحف فى الصلاة وغيرها

ذهب أبو حنيفة إلى أنه ليس للمصلى أن يقرأ من المصحف، فإن قرأ بالنظر فى المصحف فسدت صلاته مطلقا، أى قليلا كان ما قرأه أو كثيرا، إماما كان أو منفردا، وكذا لو كان ممن لا يمكنه القراء ة إلا منه لكونه غير حافظ.

وقد اختلف الحنفية فى تعليل قوله، فقيل :لأن حمل المصحف والنظر فيه وتقليب الأوراق عمل كثير، وقيل :لأنه تلقن من المصحف، فصار كما إذا تلقن من غيره، وصحح هذا الوجه فى الكافى تبعا لتصحيح السرخسى، وعليه فلو لم يكن قادرا على القراء ة إلا من المصحف فصلى بلا قراء ة فإنها تجزئه.

وذهب الصاحبان إلى تجويز القراء ة للمصلى من المصحف مع الكراهة لما فى ذلك من التشبه بأهل الكتاب.

وذهب المالكية إلى أنه يكره للمصلى القراء ة من المصحف فى فرض أو نفل لكثرة الشغل بذلك، لكن كراهته عندهم فى النفل إن قرأ فى أثنائه، ولا يكره إن قرأ فى أوله، لأنه يغتفر فى النفل ما لا يغتفر فى الفرض ، قال ابن قدامة :ورويت الكراهية فى ذلك عن ابن المسيب والحسن ومجاهد والربيع.

وأجاز الحنابلة القراء ة فى المصحف فى قيام رمضان إن لم يكن حافظا، لما ورد عن عائشة رضى الله عنها فى مولى لها اسمه ذكوان كان يؤمها من المصحف، ويكره فى الفرض على الإطلاق، لأن العادة أنه لا يحتاج إليه فيه، ويكره للحافظ حتى فى قيام رمضان، لأنه يشغل عن الخشوع وعن النظر إلى موضع السجود.

وذهب الشافعية إلى أن المصلى لو قرأ فى مصحف ولو قلب أوراقه أحيانا لم تبطل صلاته، لأن ذلك يسير أو غير متوال لا يشعر بالإعراض.

أما فى غير الصلاة فإن القراء ة من المصحف مستحبة لاشتغال البصر بالعبادة، وقد ذهب بعض الفقهاء إلى تفضيل القراء ة من المصحف على القراء ة عن ظهر قلب، لأنه يجمع مع القراء ة النظر فى المصحف، وهو عبادة أخرى، لكن قال النووى :إن زاد خشوعه وحضور قلبه فى القراء ة عن ظهر قلب فهو أفضل فى حقه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٨، ص ١١ و ١٢، مادة "مصحف")

(فرع)لو قرأ القرآن من المصحف لم تبطل صلاته سواء كان يحفظه أم لا بل يجب عليه ذلك إذا لم يحفظ الفاتحة كما سبق ولو قلب أوراقه أحيانا فى صلاته لم تبطل ولو نظر فى مكتوب غير القرآن وردد ما فيه فى نفسه لم تبطل صلاته وإن طال لكن يكره نص عليه الشافعى فى الإملاء وأطبق عليه الأصحاب وحكى الرافعى وجها أن حديث النفس إذا طال أبطل الصلاة وهو شاذ والمشهور الجزم بصحتها ونقله الشيخ أبو حامد عن نصه فى الإملاء وهذا الذى ذكرناه من أن القراء ة فى المصحف لا تبطل الصلاة مذهبنا ومذهب مالك وأبى يوسف ومحمد واحمد.

قال أبو حنيفة تبطل قال أبو بكر الرازى أراد إذا لم يحفظ القرآن وقرأ كثيرا فى المصحف فأما إن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

”کتابُ الأصل“ کا حوالہ

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد، امام محمد رحمہ اللہ نے ”کتابُ الأصل“ میں فرمایا کہ:

قلت أرأيت الإمام يؤم القوم فى رمضان أو فى غير رمضان وهو يقرأ فى المصحف؟

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كان يحفظه أو لا يحفظه وقرأ يسيرا كالآية ونحوها فلا تبطل واحتج له بأنه يحتاج فى ذلك إلى فكر ونظر وذلك عمل كثير وكما لو تلقن من غيره فى الصلاة.

واحتج أصحابنا بأنه أتى بالقراء ة وأما الفكر والنظر فلا تبطل الصلاة بالاتفاق إذا كان فى غير المصحف ففيه أولى وأما التلقين فى الصلاة فلا يبطلها عندنا بلا خلاف(المجموع شرح المهذب، ج۴،ص۹۵،فرع فى مسائل تتعلق بالكلام فى الصلاة)

فصل :قال أحمد :لا بأس أن يصلى بالناس القيام وهو ينظر فى المصحف قيل له :فى الفريضة؟ قال :لا، لم أسمع فيه شيئا .وقال القاضى :يكره فى الفرض، ولا بأس به فى التطوع إذا لم يحفظ، فإن كان حافظا كره أيضا .قال وقد سئل أحمد عن الإمامة فى المصحف فى رمضان؟ فقال :إذا اضطر إلى ذلك .نقله على بن سعيد، وصالح، وابن منصور .وحكى عن ابن حامد أن النفل والفرض فى الجواز سواء.

وقال أبو حنيفة تبطل الصلاة به إذا لم يكن حافظا؛ لأنه عمل طويل، وقد روى أبو بكر بن أبى داود، فى كتاب المصاحف بإسناده عن ابن عباس قال نهانا أمير المؤمنين أن نؤم الناس فى المصاحف، وأن يؤمنا إلا محتلم، وروى عن ابن المسيب والحسن، ومجاهد، وإبراهيم، وسليمان بن حنظلة، والربيع، كراهة ذلك وعن سعيد، والحسن قالا :تردد ما معك من القرآن ولا تقرأ فى المصحف.

والدليل على جوازه ما روى أبو بكر الأثرم، وابن أبى داود بإسنادهما عن عائشة أنها كانت يؤمها عبد لها فى المصحف وسئل الزهرى عن رجل يقرأ فى رمضان فى المصحف فقال :كان خيارنا يقرء ون فى المصاحف وروى ذلك عن عطاء ، ويحيى الأنصارى وعن الحسن، ومحمد فى التطوع ولأن ما جاز قراء ته ظاهرا جاز نظيره كالحافظ، ولا نسلم أن ذلك يحتاج إلى عمل طويل، وإن كان كثيرا فهو متصل واختصت الكراهة بمن يحفظ لأنه يشتغل بذلك عن الخشوع فى الصلاة والنظر إلى موضع السجود لغير حاجة.

وكره فى الفرض على الإطلاق؛ لأن العادة أنه لا يحتاج إلى ذلك فيها وأبيحت فى غير هذين الموضعين لموضع الحاجة إلى سماع القرآن والقيام به والله أعلم(المغنى لابن قدامة، ج۱،ص۴۱۲،فصل يصلى بالناس القيام وهو ينظر فى المصحف)

قال أكره له ذلك.

قلت وكذلك لو كان يصلي وحده ؟

قال نعم .

قلت فهل تفسد صلاته ؟

قال نعم .

وهذا قول أبي حنيفة وقال أبو يوسف ومحمد أما نحن فنرى أن صلاته تامة ولكنا نكره له ذلك لأنه يشبه فعل أهل الكتاب (كتاب الاصل، ج ١ ص ٢٠٦، كتاب الصلاة،فيمن يؤم القوم وهو يقرأ في المصحف)

ترجمہ: میں نے امام ابوحنیفہ سے عرض کیا کہ آپ کی اس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے، جو رمضان میں (تراویح کے اندر) لوگوں کی امامت کرتا ہے، اور وہ قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھتا ہے؟

تو امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ میں اس عمل کو، اس کے لیے مکروہ سمجھتا ہوں۔

میں نے عرض کیا کہ یہی حکم اس صورت میں بھی ہے، جبکہ کوئی قرآن مجید دیکھ کر تنہا نماز پڑھے؟

تو امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ جی ہاں۔

میں نے عرض کیا کہ کیا کہ اس عمل سے اس کی نماز فاسد ہوجائے گی؟

تو امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ جی ہاں۔

لیکن یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے، اور ابو یوسف اور محمد (رحمہما اللہ) کا کہنا ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس کی نماز درست ہوجائے گی، لیکن ہم اس عمل کو مکروہ سمجھتے ہیں، کیونکہ یہ اہلِ کتاب کے فعل کے مشابہ ہے (کتابُ الأصل)

مذکورہ عبارت سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول اور ان کے دو اہم شاگردوں کا قول اور اس کی وجہ بھی معلوم ہوئی۔

’’الجامعُ الصغیر‘‘ کا حوالہ

امام محمد رحمہ اللہ نے ’’الجامعُ الصغیر‘‘ میں فرمایا کہ:

إمام قرأ فی المصحف فصلاته فاسدة وقال أبو یوسف ومحمد (رحمهما الله) هی تامة ویکره (الجامع الصغیر ، ص۹۷، کتاب الصلاۃ، باب فی القرائۃ فی الصلاۃ)

ترجمہ: جو امام قرآن مجید کی دیکھ کر قرائت کرے، تو اس کی نماز (امام ابوحنیفہ کے نزدیک) فاسد ہو جاتی ہے، اور ابو یوسف اور محمد (رحمہما اللہ) کے نزدیک فاسد نہیں ہوتی، البتہ مکروہ ہوتی ہے (الجامعُ الصغیر)

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ مذکورہ مسئلہ میں امام ابوحنیفہ اور ان کے دو اہم شاگردوں کے درمیان اختلاف ہے، اور یہ بات اہلِ علم حضرات سے مخفی نہیں، کہ حنفیہ کے نزدیک امام محمد اور امام ابو یوسف کا قول، امام ابوحنیفہ کے قول سے زیادہ بعید نہیں سمجھا جاتا، اسی وجہ سے بہت سے مسائل میں امام محمد اور امام ابو یوسف کے قول کو بھی اختیار کیا جاتا ہے، خاص طور پر جبکہ کوئی ضرورت اس کی داعی ہو، یا دلیل سے اُن کے قول کا رُجحان ظاہر ہوتا ہو۔ [1]

’’النافعُ الکبیر‘‘ کا حوالہ

’’الجامعُ الصغیر‘‘ کی شرح ’’النافعُ الکبیر‘‘ میں ہے کہ:

’’امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے سے، نماز فاسد ہونے کی دو وجہ ہیں۔

[1] (قوله :والأصح کما فی السراجیة) أقول :عبارتها ثم الفتوی علی الإطلاق علی قول أبی حنیفة، ثم قول أبی یوسف ثم قول محمد، ثم قول زفر والحسن بن زیاد .وقیل إذا کان أبو حنیفة فی جانب وصاحباه فی جانب فالمفتی بالخیار، والأول أصح إذا لم یکن المفتی مجتهدا اهـ فمقابل الأصح غیر مذکور فی کلام الشارح فافهم(رد المحتار علی الدر المختار، ج ۱ ،ص ۷۰،مقدمة)

ایک وجہ تو یہ ہے کہ نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا، عملِ کثیر ہے، جس میں قرآن مجید کو اٹھانا اور رکھنا، اور ورق گردانی کرنا پایا جاتا ہے۔

اور اس وجہ کے پیشِ نظر اگر قرآن مجید سامنے رکھا ہوا ہو، اور (خود نماز پڑھنے والے کو) اسے اٹھانے اور ورق گردانی کی ضرورت پیش نہ آئے، تو پھر اس کو دیکھ کر پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس طرزِ عمل میں قرآن مجید سے تعلُّم وتلقُّن حاصل کرنا پایا جاتا ہے۔

اور اس وجہ کے پیشِ نظر قرآن مجید کو دیکھ کر تھوڑی سی قرائت کی جائے، یا زیادہ قرائت کی جائے، اور قرآن مجید کو اٹھائے اور ورق گردانی کیے بغیر قرائت کی جائے، تب بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔

اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک، نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے سے، نماز کے فاسد نہ ہونے اور نماز کے درست ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نماز میں قرآن مجید کی قرائت کرنا، عبادت ہے، اور قرآن مجید کو دیکھنا بھی عبادت ہے، لہٰذا ایک عبادت کے دوسری عبادت کے ساتھ شامل ہونے کی وجہ سے نماز کا صحیح ہونا، زیادہ حق ہے، البتہ مکروہ اس لیے ہے کہ یہ اہلِ کتاب کے طرزِ عمل کے مشابہ ہے"۔انتھیٰ۔[1]

---

[1] قوله إمام إلخ لأبى حنيفة فى حكم الفساد وجهان أحدهما أنه عمل كثيرا وهو حمل المصحف وتقليب الأوراق .

حتى لو كان موضوعا بين يديه وهو لا يقلب ولا يحمل يصح صلاته .

والثانى أنه تعلم من المصحف وهذا المعنى يوجب التسوية فى الفصول كلها.

قوله هى تامة ويكره لأنها عبادة انضافت إلى عبادة فكان أحق بالصحة وإنما يكره لأنه يشبه صنيع أهل الكتاب (النافع الكبير شرح الجامع الصغير، لأبى الحسنات اللكنوى ، ص٩٧، كتاب الصلاة، باب فى القرائة فى الصلاة)

’’المبسوط للسرخسی‘‘ کا حوالہ

’’المبسوط للسرخسی‘‘ میں ہے کہ:

’’اگر قرآن مجید کو دیکھ کر قرائت کی جائے، تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

اور امام ابوحنیفہ کے قول کے دو طریقے ہیں، ایک یہ ہے کہ قرآن مجید کو اٹھانا اور ورق گردانی کرنا، اور اس پر نظر ڈالنا، اور اس کو سمجھنے کے لیے غور وفکر کرنا، عملِ کثیر ہے، جو نماز کو فاسد کرنے کا سبب ہے۔

اس وجہ کی بناء پر اگر قرآن مجید سامنے رکھا ہوا ہو (یا کوئی نماز سے خارج شخص قرآن مجید کھول کر سامنے رکھ دے، اور ورق بھی وہی پلٹتا رہے) تو اس کو دیکھ کر پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز فاسد ہونے کی زیادہ صحیح وجہ یہ ہے کہ اس میں قرآن مجید سے تلقّن اور تعلّم حاصل کرنا پایا جاتا ہے، تو یہ گویا کہ ایسا ہی ہو گیا کہ کسی معلم سے تعلیم حاصل کرے، جو کہ نماز فاسد کرنے کا سبب ہے، اور اس وجہ کی بناء پر اگر قرآن مجید سامنے رکھا ہوا ہو، یا ہاتھ میں ہو، تو اسے دیکھ کر پڑھنے سے بہر صورت نماز فاسد ہو جائے گی۔

اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے سے نماز درست ہو جاتی ہے، لیکن مکروہ ہوتی ہے، کیونکہ اس میں اہلِ کتاب کے فعل کے ساتھ تشبہ پایا جاتا ہے۔

اور امام شافعی کے نزدیک مکروہ بھی نہیں ہوتی، کیونکہ اہلِ کتاب کے ساتھ ہر چیز میں تشبہ ممنوع نہیں ہے، اور یہ اس طرح کے افعال میں داخل

نہیں''۔انتہٰی۔ [1]

''بدائع الصنائع'' کا حوالہ

''بدائع الصنائع''میں بھی اسی طرح کی تفصیل مذکور ہے،لیکن اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں وجہ میں سے کسی وجہ کو ترجیح نہیں دی گئی،اورانہوں نے امام ابو یوسف اورامام محمد کے نزدیک،نماز میں قرآن مجید پڑھنے سے نماز فاسد نہ ہونے کی وجہ یہ بیان کی کہ قرآن مجید کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔

لہٰذا قرآن مجید پڑھنے کی عبادت کے، دیکھنے کی عبادت کے ساتھ جمع ہونا، نماز کے فساد کا سبب نہیں ہوگا۔

البتہ یہ عمل اس لیے مکروہ ہوگا کہ اہلِ کتاب کے ساتھ تشبہ ہے۔

---

[1] قال :(وإذا قرأ فی صلاته فی المصحف فسدت صلاته) عند أبی حنيفة.
وعند أبی يوسف ومحمد -رحمهما الله تعالی -صلاته تامة، ويكره ذلک.
وقال الشافعی -رضی الله عنه -لا يكره لحديث ذكوان مولی عائشة -رضی الله تعالی عنها -أنه كان يؤمها فی شهر رمضان وكان يقرأ فی المصحف، ولأنه ليس فيه إلا حمل المصحف بيده والنظر فيه، ولو حمل شيئا آخر لم تفسد صلاته، فكذلک المصحف إلا أنهما كرها ذلک؛ لأنه تشبه بفعل أهل الكتاب.
والشافعی -رحمه الله تعالی -قال ما نهينا عن التشبه بهم فی كل شیء فإنا نأكل كما يأكلون .
ولأبی حنيفة -رحمه الله تعالی -طريقان :أحدهما أن حمل المصحف وتقليب الأوراق والنظر فيه والتفكر فيه ليفهم عمل كثير وهو مفسد للصلاة، كالرمی بالقوس فی صلاته وعلی هذا الطريق يقول :إذا كان المصحف موضوعا بين يديه أو قرأ بما هو مكتوب علی المحراب لم تفسد صلاته.
والأصح أن يقول :إنه يلقن من المصحف فكأنه تعلم من معلم وذلک مفسد لصلاته، ألا تری أن من يأخذ من المصحف يسمی صحفيا، ومن لا يحسن قراء ة شیء عن ظهر قلبه يكون أميا يصلی بغير قراء ة فدل أنه متعلم من المصحف، وعلی هذا الطريق لا فرق بين أن يكون موضوعا بين يديه أو فی يديه (المبسوط للسرخسی، ج ۱، ص ۲۰۱ و ۲۰۲، كتاب الصلاة، باب الحدث فی الصلاة)

اور امام شافعی کے نزدیک مکروہ بھی نہیں۔ [1]

’’الھدایۃ‘‘ کا حوالہ

’’الھدایۃ‘‘ میں ہے کہ:

’’اگر قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھے، تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز فاسد ہوجاتی ہے، کیونکہ اس میں قرآن مجید کو اٹھانا، اور ورق گردانی کرنا، یہ سب عملِ کثیر لازم آتا ہے۔

لیکن اس وجہ کی بناء پر عملِ کثیر کے بغیر دیکھ کر قرآن مجید پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

اور ایک وجہ یہ ہے کہ اس میں قرآن سے تعلُّم و تلقُّن پایا جاتا ہے، اور اس وجہ کی بناء

[1] ولو قرأ المصلى من المصحف فصلاته فاسدة عند أبى حنيفة.
وعند أبى يوسف ومحمد تامة ويكره.
وقال الشافعى: لا يكره واحتجوا بما روى أن مولى لعائشة -رضى الله عنها- يقال له ذكوان كان يؤم الناس فى رمضان وكان يقرأ من المصحف ولأن النظر فى المصحف عبادة والقراءة عبادة وانضمام العبادة إلى العبادة لا يوجب الفساد إلا أنه يكره عندهما؛ لأنه تشبه بأهل الكتاب، والشافعى يقول ما نهينا عن التشبه بهم فى كل شىء فإنا نأكل ما يأكلون.
ولأبى حنيفة طريقتان: إحداهما أن ما يوجد منه من حمل المصحف وتقليب الأوراق والنظر فيه أعمال كثيرة ليست من أعمال الصلاة ولا حاجة إلى تحملها فى الصلاة فتفسد الصلاة، وقياس هذه الطريقة أنه لو كان المصحف موضوعا بين يديه ويقرأ منه من غير حمل وتقليب الأوراق أو قرأ ما هو مكتوب على المحراب من القرآن لا تفسد صلاته لعدم المفسد وهو العمل الكثير.
والطريقة الثانية أن هذا يلقن من المصحف فيكون تعلما منه ألا ترى أن من يأخذ من المصحف يسمى متعلما فصار كما لو تعلم من معلم وذا يفسد الصلاة وكذا هذا، وهذه الطريقة لا توجب الفصل بين ما إذا كان حاملا للمصحف مقلبا للأوراق وبين ما إذا كان موضوعا بين يديه ولا يقلب الأوراق (بدائع الصنائع، ج ١، ص ٢٣٦، كتاب الصلاة، فصل الكلام فى الاستخلاف فى الصلاة)

پر عملِ کثیر کے بغیر بھی دیکھ کر قرآن مجید پڑھنے سے نماز فاسد ہوجائے گی۔

اور صاحبین (یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد) کے نزدیک نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے سے نماز درست ہوجاتی ہے، کیونکہ قرآن مجید کی قرائت کرنا، ایک عبادت ہے، تو اس کو دیکھنے کی عبادت اس کے ساتھ شامل ہوجاتی ہے (کوئی گناہ درمیان میں شامل نہیں ہوتا) لیکن اس طرزِ عمل میں اہلِ کتاب کے فعل کے ساتھ تشبہ پایا جاتا ہے، اس لیے مکروہ ہے''۔انتھٰی۔ [1]

''فتحُ القدیر'' کا حوالہ

''فتحُ القدیر'' میں اسی مسئلہ کے ضمن میں ہے کہ:

''عملِ کثیر کے بارے میں (حنفیہ کا) اختلاف ہے، بعض حضرات نے فرمایا کہ جو عمل ایک ہاتھ سے کیا جائے، وہ قلیل ہے، اور جو عمل دو ہاتھوں سے کیا جائے، وہ کثیر ہے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اگر اس کو دوسرا دیکھنے والا انسان یہ یقین کرلے کہ وہ نماز میں نہیں ہے، تو وہ عملِ کثیر ہے، اور اگر شک ہو، یا نماز میں ہونے کا شک نہ ہو، تو وہ عملِ قلیل ہے، اکثر حضرات نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ نماز پڑھنے والے کی رائے کے سپرد ہے، اگر وہ اس عمل کو کثیر سمجھے، وہ کثیر ہے، ورنہ نہیں۔

---

[1] وإذا قرأ الإمام من المصحف فسدت صلاته عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى وقالا هي تامة "لأنها عبادة انضافت إلى عبادة أخرى "إلا أنه يكره "لأنه تشبه بصنيع أهل الكتاب ولأبي حنيفة رحمه الله تعالى أن حمل المصحف والنظر فيه وتقليب الأوراق عمل كثير ولأنه تلقن من المصحف فصار كما إذا تلقن من غيره وعلى هذا لا فرق بين المحمول والموضوع وعلى الأول يفترقان(الهداية في شرح بداية المبتدي، ج ا ص ٦٣، كتاب الصلاة، باب: ما يفسد الصلاة وما يكره فيها)

حلوانیؒ نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ کے مذہب کے زیادہ قریب یہی قول ہے‘‘۔

انتھٰی۔ [1]

مذکورہ عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص عملِ کثیر کا ارتکاب کیے بغیر نماز میں دیکھ کر قرآن مجید کو پڑھے، تو صاحبین کے نزدیک اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی، اور دیگر حضرات کے قول سے یہ بھی معلوم ہو چکا کہ جب اہلِ کتاب کے ساتھ تشبُّہ کا قصدوارادہ نہ ہو، بلکہ قرآن مجید کو صحیح پڑھنا مقصود ہو، تو نماز مکروہ بھی نہیں ہوگی۔

اور ’’عملِ کثیر‘‘ کے متعلق حنفیہ کا اختلاف ہے، فتحُ القدیر کی مذکورہ عبارت میں عملِ کثیر کے متعلق تین اقوال ذکر کیے گئے ہیں۔

بعض حضرات نے مزید دو اقوال بھی ذکر کیے ہیں، جن میں ایک قول یہ ہے کہ جس عمل کے لئے مسلسل یعنی لگا تار اور پے در پے کم از کم تین مرتبہ ہاتھوں کو مستقل حرکت دی جائے، وہ عملِ کثیر ہے، ورنہ عملِ قلیل ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ جس کام کو کرنے کے لئے مستقل مجلس ونشست کو اختیار کرنے کی ضرورت پیش آئے، وہ عملِ کثیر ہے، ورنہ عملِ قلیل ہے۔

اور بعض حضرات نے عملِ کثیر سے نماز فاسد ہونے کے لئے یہ قید بھی لگائی ہے کہ وہ عمل نماز کو درست کرنے کے لئے اختیار نہ کیا جائے، ورنہ نماز کی درستگی واصلاح کے لئے بعض اعمالِ کثیرہ کی بھی گنجائش ہوتی ہے۔ [2]

---

[1] (قوله أما فساد الصلاة فبالعمل الكثير) واختلفوا فى حده، فقيل ما يحصل بيد واحدة قليل وبيدين كثير، وقيل لو كان بحال لو رآه إنسان من بعيد تيقن أنه ليس فى الصلاة فهو كثير، وإن كان يشك أنه فيها أو لم يشك أنه فيها فقليل وهو اختيار العامة .وقيل يفوض إلى رأى المصلى إن استكثره فكثيره مفسد وإلا لا.

قال الحلوانى: هذا أقرب إلى مذهب أبى حنيفة(فتح القدير، ج ا ص ۴۰۳، كتاب الصلاة، باب: ما يفسد الصلاة وما يكره فيها)

[2] (قوله ليس من أعمالها) احتراز عما لو زاد ركوعا أو سجودا مثلا فإنه عمل كثير غير مفسد لكونه منها غير أنه يرفض لأن هذا سبيل ما دون الركعة ط قلت :والظاهر الاستغناء عن هذا القيد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوران اقوال میں ترجیح دینے والوں میں بھی اختلاف ہوا ہے، بعض نے کسی قول کو، اور بعض

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

على تعريف العمل الكثير بما ذكره المصنف تأمل (قوله ولا لإصلاحها) خرج به الوضوء والمشى لسبق الحدث فإنهما لا يفسدانها ط .قلت :وينبغى أن يزاد ولا فعل لعذر احترازا عن قتل الحية أو العقرب بعمل كثير على أحد القولين كما يأتى، إلا أن يقال إنه لإصلاحها لأن تركه قد يؤدى إلى إفسادها تأمل (قوله وفيه أقوال خمسة أصحها ما لا يشك إلخ) صححه فى البدائع، وتابعه الزيلعى والولوالجى .وفى المحيط أنه الأحسن .وقال الصدر الشهيد :إنه الصواب .وفى الخانية والخلاصة :إنه اختيار العامة .وقال فى المحيط وغيره :رواه الثلجى عن أصحابنا حلية.

القول الثانى أن ما يعمل عادة باليدين كثير وإن عمل بواحدة كالتعميم وشد السراويل وما عمل بواحدة قليل وإن عمل بهما كحل السراويل ولبس القلنسوة ونزعها إلا إذا تكرر ثلاثا متوالية وضعفه فى البحر بأنه قاصر عن إفادة ما لا يعمل باليد كالمضغ والتقبيل.

الثالث الحركات الثلاث المتوالية كثير وإلا فقليل.

الرابع ما يكون مقصودا للفاعل بأن يفرد له مجلسا على حدة .قال فى التتارخانية :وهذا القائل : يستدل بامرأة صلت فلمسها زوجها أو قبلها بشهوة أو مص صبى ثديها وخرج اللبن :تفسد صلاتها.

الخامس التفويض إلى رأى المصلى، فإن استكثره فكثير وإلا فقليل قال القهستانى :وهو شامل للكل وأقرب إلى قول أبى حنيفة، فإنه لم يقدر فى مثله بل يفوض إلى رأى المبتلى .اهـ .قال فى شرح المنية :ولكنه غير مضبوط، وتفويض مثله إلى رأى العوام مما لا ينبغى، وأكثر الفروع أو جميعها مفرع على الأولين .والظاهر أن ثانيهما ليس خارجا عن الأول، لأن ما يقام باليدين عادة يغلب ظن الناظر أنه ليس فى الصلاة، وكذا قول من اعتبر التكرار ثلاثا متوالية فإنه يغلب الظن بذلك، فلذا اختاره جمهور المشايخ .اهـ.

(قوله ما لا يشك إلخ) أى عمل لا يشك أى بل يظن ظنا غالبا شرح المنية وما بمعنى عمل، والضمير فى بسببه عائد إليه والناظر فاعل يشك، والمراد به من ليس له علم بشروع المصلى بالصلاة كما فى الحلية والبحر .وفى قول الشارح من بعيد تبعا للبدائع والنهر إشارة إليه لأن القريب لا يخفى عليه الحال عادة فافهم (قوله وإن شك) أى اشتبه عليه وتردد (قوله لكنه يشكل بمسألة المس والتقبيل) أى ما لو مس المصلية بشهوة أو قبلها بدونها فإن صلاتها تفسد، ولم يوجد منها فعل كما سيأتى فى الفروع مع جوابه، وأصل الاستشكال لصاحب الحلية وتبعه فى البحر، فليس المراد صلاة المقبل والماس .فإنه لا يخفى فسادها على أحد من الناس فافهم (قوله فلا تفسد إلخ) تفريع على أصح الأقوال، خلافا لما روى مكحول عن أبى حنيفة أنه لو رفع يديه عند الركوع وعند الرفع منه تفسد لأن المفسد إنما هو العمل الكثير وهو ما يظن أن فاعله ليس فى الصلاة، وهذا الرفع ليس كذلك، كذا فى الكافى، نعم يكره لأنه فعل زائد ليس من تتمات الصلاة شرح المنية، وتسميتها تكبيرات الزوائد خلاف الاصطلاح لأنها فى الاصطلاح تكبيرات العيدين(رد المحتار على الدر المختار، ج ١، ص ٦٢٥، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها)

نے کسی قول کو ترجیح دی ہے۔ ؎

؎ والأوجه قول بعضهم إنه إن حرك رجليه قليلا لا تفسد وإن كان كثيرا فسدت كما فى الذخيرة أيضا ولعله مفوض إلى ما يعده العرف قليلا أو كثيرا وفى الظهيرية إذا تخمرت المرأة فسدت صلاتها ولو أغلق الباب لا تفسد وإن فتح الباب المغلق تفسد وإن نزع القميص لا تفسد ولو لبس تفسد ولو شد السراويل تفسد ولو فتح لا تفسد ومن أخذ عنان دابته أو مقودها وهو نجس إن كان موضع قبضه نجسا لم يجز وإن كان النجس موضعا آخر جاز وإن كان يتحرك بتحركه هو المختار وإن جذبته الدابة حتى أزالته عن موضع سجوده تفسد ولو آذاه حر الشمس فتحول إلى الظل خطوة أو خطوتين لا تفسد وقيل فى الثلاث كذلك والأول أصح ولو رفع رجل المصلى عن مكانه ثم وضعه من غير أن يحوله عن القبلة لا تفسد ولو وضعه على الدابة تفسد ولو زر قميصا أو قباء فسدت لا إن حله وإن ألجم دابة فسدت لا إن خلعه ولو لبس خفيه فسدت لا إن تنعل أو خلع نعليه كما لو تقلد سيفا أو نزعه أو ووضع الفتيلة فى مسرجة أو تروح بمروحة أو بكمه أو سوى من عمامته كورا أو كورين أو لبس قلنسوة أو بيضة

والحاصل أن فروعهم فى هذا الباب قد اختلفت ولم تتفرع كلها على قول واحد بل بعضها على قول وبعضها على غيره كما يظهر للمتأمل والظاهر أن أكثرها تفريعات المشايخ لم تكن منقولة عن الإمام الأعظم ولهذا جعل الاختلاف فى حد العمل الكثير والقليل فى التجنيس إنما هو بين المشايخ وقد ذكرنا من الأقوال أربعة وذكروا قولا خامسا وهو أن العمل الكثير ما يكون مقصودا للفاعل بأن أفرد له مجلسا على حدة ولقد صدق من قال كثرة المقالات تؤذن بكثرة الجهالات ولقد صدق صاحب الفتاوى الظهيرية حيث قال فى الفصل الثالث فى قراء ة القرآن إن كل ما لم يرو عن أبى حنيفة فيه قول بقى كذلك مضطربا إلى يوم القيامة كما حكى عن أبى يوسف أنه كان يضطرب فى بعض المسائل وكان يقول كل مسألة ليس لشيخنا فيها قول فنحن فيها هكذا اهـ ا(البحرالرائق، ج ۲ ص ۱۴، ۱۵، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها)

(قوله والحاصل أن فروعهم فى هذا الباب قد اختلفت إلخ) أقول: يمكن أن يقال لما رأى مشايخ المذهب الفروع المذكورة فكل منهم عرف العمل الكثير بتعريف ينطبق على ما رآه من الفروع وبضم التعاريف إلى بعضها تنتظم الفروع جميعا بأن يقال العمل الكثير هو ما لا يشك الناظر إليه أنه ليس فى الصلاة أو ما كان بحركات متوالية أو ما كان يعمل باليدين أو ما يستكثره المبتلى به أو ما يكون مقصودا للفاعل بأن أفرد له مجلسا على حدة لكن يمكن إدخال سائر الفروع فى الأولين والاستغناء بهما عن الثلاثة الباقية فتأمل فيما ذكرناه من التوفيق فإن فيه إحسان الظن بمشايخ المذهب فإن هذه الفروع وإن لم تكن كلها منقولة عن الإمام الأعظم لكن المشايخ خرجوا بعضها على المنقول لا بمجرد الرأى وما كان مخرجا على المذهب من أهل التخريج فهو داخل فى المذهب هذا ما ظهر لفكرى القاصر والله سبحانه وتعالى أعلم ثم رأيت العلامة الشيخ إبراهيم الحلبى فى شرحه على المنية ذكر ما ذكرته حيث قال وأكثر الفروع أو جميعها مخرج على أحد الطريقين الأولين.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

’’البحرُ الرائق‘‘ کا حوالہ

’’البحرُ الرائق‘‘ میں اس مسئلہ کی تفصیل کے ذیل میں ہے کہ:

’’امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، اور نماز کے فاسد ہونے کی دو وجہیں ہیں۔

شمس الائمہ سرخسی نے نماز کے باہر سے تلقُّن و تعلُّم حاصل کرنے کی وجہ کو ترجیح دی ہے، جن کی بعض دوسرے حضرات نے بھی پیروی ہے، اور اس وجہ کا تقاضا یہ ہوگا کہ خواہ تھوڑی قراءت کی جائے، یا زیادہ قراءت کی جائے، اور قاری حافظِ قرآن ہو، یا غیر حافظِ قرآن ہو، بہرصورت نماز فاسد ہوجائے گی۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جب تک دیکھ کر سورہ فاتحہ کے بقدر قرائت نہیں کرے گا، اس وقت تک نماز فاسد نہیں ہوگی۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جب تک کم از ایک آیت کے بقدر نہیں پڑھے گا، اس وقت تک نماز فاسد نہیں ہوگی۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اگر حافظِ قرآن ہو، تو اس کا قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھنا تلقُّن و تعلُّم میں داخل نہیں، اس لئے اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

مگر یہ تمام اقوال اس توجیہ پر مبنی ہیں، جس کو شمس الائمہ سرخسی نے ضعیف قرار دیا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والظاهر أن ثانيهما ليس خارجا عن الأول لأن ما يقام باليدين عادة يغلب ظن الناظر أنه ليس فى الصلاة وكذا قول من اعتبر التكرار إلى ثلاث متوالية فإن التكرار يغلب الظن بذلك فلذا اختاره جمهور المشايخ .اهـ) .قوله وذكروا قولا خامسا وهو إلخ) قال فى التتارخانية عن المحيط وهذا القائل يستدل بامرأة صلت فلمسها زوجها أو قبلها بشهوة تفسد صلاتها وكذا إذا مص صبى ثديها وخرج اللبن تفسد صلاتها(منحة الخالق على البحر الرائق، ج٢ ص ١۴، ١۵ ، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها)

اور صاحبین (یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد) کے نزدیک قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، کیونکہ ان کے نزدیک یہ کوئی گناہ کا کام نہیں، بلکہ قراءت کرنے کی عبادت کے ساتھ، قرآن دیکھنے کی ایک دوسری عبادت کو شامل کرنا ہے، لیکن اہلِ کتاب کی مشابہت کی وجہ سے مکروہ ہے۔

اور یہ بات جان لینی چاہئے کہ اہلِ کتاب کے ساتھ تشبہ ہر چیز میں مکروہ نہیں، ممنوع تشبہ وہ ہے، جو کہ مذموم اور بُری چیز ہو، اور اس سے تشبہ کا قصد وارادہ بھی کیا جائے، جیسا کہ قاضی خان نے ''الجامعُ الصغیر'' کی شرح میں ذکر کیا ہے، لہٰذا اس کے پیشِ نظر اگر کسی کا اہلِ کتاب کے ساتھ تشبہ کا ارادہ نہ ہو، تو امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک، نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا مکروہ نہیں ہوگا''۔انتہٰی۔ [1]

---

[1] (قوله وقرائته من مصحف) أى يفسدها عند أبى حنيفة وقالا هى تامة لأنها عبادة انضافت إلى عبادة إلا أنه يكره لأنه تشبه بصنيع أهل الكتاب ولأبى حنيفة وجهان أحدهما أن حمل المصحف والنظر فيه وتقليب الأوراق عمل كثير الثانى أنه تلقن من المصحف فصار كما إذا تلقن من غيره وعلى هذا الثانى لا فرق بين الموضوع والمحمول عنده وعلى الأول يفترقان وصحح المصنف فى الكافى الثانى وقال إنها تفسد بكل حال تبعا لما صححه شمس الأئمة السرخسى وربما يستدل لأبى حنيفة كما ذكره العلامة الحلبى بما أخرجه ابن أبى داود عن ابن عباس قال نهانا أمير المؤمنين أن نؤم الناس فى المصحف فإن الأصل كون النهى يقتضى الفساد وأراد بالمصحف المكتوب فيه شىء من القرآن فإن الصحيح أنه لو قرأ من المحراب فسدت كما هو مقتضى الوجه الثانى كما صرحوا به وأطلقه فشمل القليل والكثير وما إذا لم يكن حافظا أو حافظا للقرآن وهو إطلاق الجامع الصغير وذهب بعضهم إلى أنه إنما تفسد إذا قرأ آية وبعضهم إذا قرأ الفاتحة وقال الرازى قول أبى حنيفة محمول على من لم يحفظ القرآن ولا يمكنه أن يقرأ إلا من مصحف فأما الحافظ فلا تفسد صلاته فى قولهم جميعا وتبعه على ذلك السرخسى فى جامعه الصغير على ما فى النهاية وأبو نصر الصفار على ما فى الذخيرة معللا بأن هذه القرائة مضافة إلى حفظه لا إلى تلقنه من المصحف.

وجزم به فى فتح القدير والنهاية والتبيين وهو أوجه كما لا يخفى وفى الظهيرية ثم لم يذكر فى الكتاب أنه إذا لم يكن قادرا إلا على القرائة من المصحف فصلى بغير قرائة هل تجوز والأصح أنها لا تجوز اهـ.

ويخالفه ما فى النهاية نقلا عن مبسوط شيخ الإسلام وكان الشيخ الإمام أبو بكر محمد بن الفضل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

’’الدّرُ المختار‘‘ کا حوالہ

’’الدّرُ المختار‘‘ میں ہے کہ:

’’امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے سے، مطلقاً نماز فاسد ہوجاتی ہے۔

اور امام شافعی کے نزدیک قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا، بلا کراہت جائز ہے۔

اور صاحبین (یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد) کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوتی، البتہ اہلِ کتاب کے ساتھ تشبّہ کی وجہ سے مکروہ ہے، یعنی جب کہ اہلِ کتاب کے ساتھ تشبہ کا قصد وارادہ کرے، کیونکہ اہلِ کتاب کے ساتھ ہر چیز میں تشبہ مکروہ نہیں، بلکہ بری چیزوں میں ہی مکروہ ہے، اور وہ بھی اس وقت، جب کہ تشبہ کا ارادہ کرے، جیسا کہ بحر میں ہے‘‘۔ انتہٰی۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

یقول فی التعلیل لأبی حنیفة أجمعنا علی أن الرجل إذا کان یمکنه أن یقرأ من المصحف ولا یمکنه أن یقرأ علی ظهر قلبه أنه لو صلی بغیر قرائة أنه یجزئه ولو کانت القرائة من المصحف جائزة لما أبیحت الصلاة بغیر قرائة ولکن الظاهر أنهما لا یسلمان هذه المسألة وبه قال بعض المشایخ .اهـ.
والظاهر أن ما فی الظهیریة متفرع علی أن علة الفساد حمله والعمل الکثیر فإذا لم یحفظ شیئا علی ظهر قلبه یمکنه أن یقرأ من المصحف وهو موضوع فلیس أمیا لتجوز صلاته بغیر قرائة وما ذکره الإمام الفضلی متفرع علی الصحیح من أن علة الفساد تلقنه ولو کان موضوعا فحینئذ لا قدرة له علی القرائة فکان أمیا وبهذا ظهر أن تصحیح الظهیریة مفرع علی الضعیف وأطلق فی المصلی فشمل الإمام والمنفرد فما فی الهدایة من تقییده بالإمام اتفاقی کما فی غایة البیان.
ثم اعلم أن التشبیه بأهل الکتاب لا یکره فی کل شیء وإنا نأکل ونشرب کما یفعلون إنما الحرام هو التشبه فیما کان مذموما وفیما یقصد به التشبیه کذا ذکره قاضی خان فی شرح الجامع الصغیر فعلی هذا لو لم یقصد التشبه لا یکره عندهما(البحر الرائق، ج۲، ص ۱۱، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها)

[1] (وقراء ته من مصحف)أی ما فیه قرآن (مطلقا) لأنه تعلم إلا إذا کان حافظا لما قرأه وقرأ بلا حمل، وقیل لا تفسد إلا بآیة :واستظهره الحلبی وجوزه الشافعی بلا کراهة وهما بها للتشبه بأهل الکتاب :أی إن قصده؛ فإن التشبه بهم لا یکره فی کل شیء ، بل فی المذموم وفیما یقصد به التشبه، کما فی البحر (الدر المختار)

’’ردُّ المحتار‘‘ کاحوالہ

’’ردُّ المحتار‘‘ میں بھی اس مسئلہ کی تفصیل مذکور ہے، جس میں صاحبِ بحر کے کلام کو بھی ذکر کیا گیا ہے، اور ساتھ ہی صاحبین کے قول کے متعلق یہ بات مذکور ہے کہ:

’’صاحبین نے نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے کو، کراہت کے ساتھ جائز قرار دیا ہے، اور اہلِ کتاب کے ساتھ تشبہ ہر چیز میں مکروہ نہیں، جیسا کہ بحؔر نے قاضی خاؔن کی ’’شرحُ الجامعُ الصغیر‘‘ سے نقل کیا ہے، اور اس کی تائید ’’الذخیرۃ‘‘ کے ایک جزئیہ سے بھی ہوتی ہے‘‘۔ انتھٰی۔ [1]

---

[1] (قوله أى ما فيه قرآن) عممه ليشمل المحراب، فإنه إذا قرأ ما فيه فسدت فى الصحيح بحر (قوله مطلقا) أى قليلا أو كثيرا، إماما أو منفردا، أميا لا يمكنه القرائة إلا منه أو لا (قوله لأنه تعلم) ذكروا لأبى حنيفة فى علة الفساد وجهين .أحدهما: أن حمل المصحف والنظر فيه وتقليب الأوراق عمل كثير .والثانى أنه تلقن من المصحف فصار كما إذا تلقن من غيره .وعلى الثانى لا فرق بين الموضوع والمحمول عنده، وعلى الأول يفترقان وصحح الثانى فى الكافى تبعا لتصحيح السرخسى؛ وعليه لو لم يكن قادرا على القرائة إلا من المصحف فصلى بلا قرائة ذكر الفضلى أنها تجزيه وصحح فى الظهيرة عدمه والظاهر أنه مفرع على الوجه الأول الضعيف بحر (قوله إلا إذا كان إلخ) لأن هذه القرائة مضافة إلى حفظه لا إلى تلقنه من المصحف، ومجرد النظر بلا حمل غير مفسد لعدم وجهى الفساد، وهذا استثناء من إطلاق المصنف، وهو قول الرازى، وتبعه السرخسى وأبو نصر الصفار وجزم به فى الفتح والنهاية والتبيين .قال فى البحر: وهو وجيه كما لا يخفى اهـ فلذا جزم به الشارح (قوله وقيل إلخ) تقييد آخر لإطلاق المصنف: وعبارة الحلبى فى شرح المنية: ولم يفرق فى الكتاب بين القليل والكثير، وقيل لا تفسد ما لم يقرأ قدر الفاتحة، وقيل ما لم يقرأ آية، وهو الأظهر لأنه مقدار ما تجوز به الصلاة عنده.

(قوله وهما بها) أى وجوزه الصاحبان بالكراهة .مطلب فى التشبه بأهل الكتاب.

(قوله لأن التشبه بهم لا يكره فى كل شىء) فإنا نأكل ونشرب كما يفعلون بحر عن شرح الجامع الصغير لقاضى خان، ويؤيده ما فى الذخيرة قبيل كتاب التحرى .قال هشام: رأيت على أبى يوسف نعلين مخصوفين بمسامير، فقلت: أترى بهذا الحديد بأسا؟ قال لا قلت: سفيان وثور بن يزيد كرها ذلك لأن فيه تشبها بالرهبان؛ فقال كان رسول الله – صلى الله عليه وسلم – يلبس النعال التى لها شعر وإنها من لباس الرهبان .فقد أشار إلى أن صورة المشابهة فيما تعلق به صلاح العباد لا يضر، فإن الأرض مما لا يمكن قطع المسافة البعيدة فيها إلا بهذا النوع .اهـ وفيه إشارة أيضا إلى أن المراد بالتشبه أصل الفعل: أى صورة المشابهة بلا قصد(ردالمحتار، ج ١ ص ٦٢٤، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها)

’’حاشیۃُ الطحطاوی علی المراقی‘‘ کا حوالہ

’’حاشیۃُ الطحطاوی علی المراقی‘‘ میں ہے کہ:

’’امام ابوحنیفہ کے نزدیک جس کو قرآن مجید حفظ یاد نہ ہو، اس کا قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا، نماز کو فاسد کردیتا ہے، خواہ وہ تھوڑا پڑھے، یا زیادہ پڑھے، اور بعض اقوال میں تھوڑا اور زیادہ پڑھنے میں فرق کیا گیا ہے۔

اور صاحبین کے نزدیک قرآن مجید کو دیکھ کر قراءت کرنے سے نماز درست ہوجاتی ہے، کیونکہ قرآن مجید کو دیکھنا عبادت ہے، جو قرآن مجید کو پڑھنے کی دوسری عبادت کے ساتھ شامل ہوجاتی ہے، اسی وجہ سے قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھنا، بغیر دیکھے پڑھنے سے افضل ہے، لیکن نماز میں یہ فعل اس لیے مکروہ ہے کہ اس میں اہلِ کتاب کے ساتھ تشبہ پایا جاتا ہے۔

لیکن یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ اہلِ کتاب کے ساتھ تشبہ ہر چیز میں مکروہ نہیں ہے، بلکہ بری چیزوں میں اور جب تشبہ کا قصد وارادہ کیا جائے، اسی وقت مکروہ ہے، جیسا کہ بحر میں قاضی خان کے حوالہ سے مذکور ہے‘‘۔انتہٰی۔ [1]

---

[1] قوله" :وقراء ة ما لا يحفظه "أى مطلقا سواء كان قليلا أو كثيرا وهو ظاهر الرواية عن الإمام . وقيل لا تفسد ما لم يقرأ قدر الفاتحة وقيل لا تفسد ما لم يقرأ قدر آية وهو الأطهر كما فى الحلبى وتبعه فى سكب الأنهر.

وعندهما صلاته تامة لأنها عبادة انضافت إلى أخرى وهو النظر فى المصحف ولهذا كانت القراء ة فى المصحف أفضل من القراء ة غائبا إلا أنه يكره فى الصلاة لما فيه من التشبه بأهل الكتاب كذا قالوا :

وفيه نظر لأن التشبه بأهل الكتاب لا يكره فى كل شىء فاننا نأكل كما يأكلون ونشرب كما يشربون وإنما الحرام التشبه بهم فيما كان مذموما وما يقصد به التشبه قاله قاضيخان فى شرح الجامع الصغير فعلى هذا لو لم يقصد التشبه لم يكره عندهما كما فى البحر.

ولأبى حنيفة فى فسادها وجهان أحدهما أن حمل المصحف والنظر فيه وتقليب الأوراق عمل كثير وعلى هذا لو كان موضوعا بين يديه وهو لا يحمله ولا يقلب الأوراق أو قرأ المكتوب فى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

’’عمدۃُ القاری‘‘ کا حوالہ

علامہ عینی نے صحیح بخاری کی شرح ’’عمدۃُ القاری‘‘ میں فرمایا کہ:

’’امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا جائز ہے، کیونکہ قرآن مجید کو دیکھنا عبادت ہے، لیکن اس میں اہلِ کتاب کے ساتھ تشبہ پایا جاتا ہے، اس لیے مکروہ ہے۔

اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، کیونکہ یہ عملِ کثیر ہے‘‘۔انتھیٰ۔ [1]

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تو نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا جائز نہیں، اور اس سے ان کے نزدیک نماز فاسد ہوجاتی ہے۔

البتہ عملِ کثیر کیے بغیر پڑھنے اور تھوڑا پڑھنے، اور حافظِ قرآن کے پڑھنے سے نماز فاسد ہونے میں اختلاف ہے۔

بہت سے حضرات نے تمام صورتوں میں ہی نماز کو فاسد قرار دیا ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے حوالے سے اسی بات کو ترجیح دی ہے، لیکن بعض حضرات نے ان چیزوں کے اعتبار سے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المحراب لا تفسد والثانی أنه تلقن من المصحف فصار كما لو تلقن من غيره وهو مناف للصلاة وهذا يوجب التسوية بين المحمول وغيره فتفسد بكل حال وهو الصحيح كذا فى الكافى ولو لم يكن قادرا إلا على القراء ة من المحصف لا يجوز له ذلک ويصلى بغير قراء ة لأنه أمى ولا فرق بين الإمام والمنفرد وتقييد الهداية بالإمام اتفاقى قوله" :من مصحف "أراد به ما كتب فيه شيىء من القرآن كذا فى النهر فعم ما لو قرأ من المحراب وهو الصحيح وأشار إليه بقوله وإن لم يحمله قوله: "لانتفاء العمل والتلقى "أى والقراءة مضافة إلى حفظه لا إلى تلقيه من المصحف (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص ٣٣٦، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة)

[1] قلت :القراء ة من مصحف فى الصلاة مفسدة عند أبى حنيفة لأنه عمل كثير، وعند أبى يوسف ومحمد يجوز، لأن النظر فى المصحف عبادة، ولكنه يكره لما فيه من التشبه بأهل الكتاب فى هذه الحالة (عمدة القارى شرح صحيح البخارى، ج٥، ص ٢٢٥ ،باب إمامة العبد والمولى)

فرق کیا ہے۔

جہاں تک صاحبین یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے قول کا تعلق ہے، تو ان کے نزدیک نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، البتہ اگر اہلِ کتاب کے ساتھ تشبُّہ ومشابہت کے قصد وارادہ سے ایسا کیا جائے، تو نماز صرف مکروہ ہوتی ہے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب اہلِ کتاب کے ساتھ تشبُّہ کا قصد وارادہ نہ ہو، بلکہ قرآن مجید کو صحیح پڑھنے کا ارادہ ہو، اور غلط پڑھنے سے بچنے کا قصد ہو، تو اس صورت میں ان کے نزدیک نماز مکروہ بھی نہیں ہوتی، اور قرآن مجید کو جس طرح پڑھنا عبادت ہے، اسی طرح اس کو دیکھنا بھی عبادت ہے، اس لئے فی نفسہٖ یہ کوئی مذموم فعل نہیں۔

لہٰذا صاحبین کے نزدیک مذکورہ صورت میں بہرحال کراہت نہ ہوگی، اور نماز بلا کراہت جائز ہوگی۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ فقہائے کرام نے نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے کے متعلق امام ابو حنیفہ اور صاحبین رحمہما اللہ کے مابین نماز فاسد ہونے، نہ ہونے اور کراہت لازم آنے، نہ آنے کے اعتبار سے فرق بیان فرمایا ہے۔

عملِ کثیر لازم آنے نہ آنے وغیرہ کے اعتبار سے فرق نہیں کیا۔

امام محمد رحمہ اللہ نے جہاں خود اس مسئلہ اور اس میں اپنے ساتھ امام ابو حنیفہ کے اختلاف کا بیان کیا، وہاں بھی اس طرح کے فرق کا ذکر نہیں کیا۔

البتہ عملِ کثیر لازم آنے یا تلقُّن وتعلُّم بالخارج کی توجیہات، بعد کے مشائخِ حنفیہ کی طرف سے بیان کردہ ہیں۔

اور جب صاحبین کے نزدیک یہ عمل نماز کو فاسد نہیں کرتا، تو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صاحبین، اس کو تعلُّم وتلقُّن بالخارج سمجھتے ہی نہیں، بلکہ وہ اس کو ایک طرح سے نماز کا حصہ سمجھتے ہیں، جیسا کہ ان کے قول کی بیان کردہ، دلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک عبادت کے ساتھ،

دوسری عبادت کو شامل کرنا ہے، کیونکہ قرآن مجید کو دیکھنا بھی عبادت ہے، اور عملِ کثیر کی توجیہ پر کلام آگے آتا ہے۔

اس سلسلہ میں بعض روایات وآثار

مصنف ابنِ ابی شیبہ نے بعض ایسی روایات اور ایسے آثار ذکر کیے ہیں، جن میں نماز کے اندر، بطورِ خاص نمازِ تراویح میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے کا ذکر ہے۔

اور ان میں امُّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی امامت کرنے والے کے قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے کا ذکر ہے۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں ایک غلام کے قرآن مجید ہاتھ میں لے کر سننے اور لقمہ دینے کا ذکر بھی ہے۔

اور حضرت حسن بصری، محمد بن سیرین اور حضرت عطاء جیسے جلیلُ القدر تابعین سے بھی اس فعل میں حرج نہ ہونے کا ذکر ہے۔ [1]

---

[1] حدثنا الثقفی ، عن أیوب ، قال : کان محمد لا یری بأسا أن یؤم الرجل القوم یقرأ فی المصحف.

حدثنا ابن علیة ، عن أیوب ، قال : سمعت القاسم یقول کان یؤم عائشة عبد یقرأ فی المصحف.

حدثنا وکیع ، قال : حدثنا هشام بن عروة ، عن أبی بکر بن أبی ملیکة ، أن عائشة أعتقت غلاما لها عن دبر ، فکان یؤمها فی رمضان فی المصحف.

حدثنا أزهر ، عن ابن عون ، عن ابن سیرین ، عن عائشة ابنة طلحة ، أنها کانت تأمر غلاما ، أو إنسانا یقرأ فی المصحف یؤمها فی رمضان.

حدثنا أبو داود ، عن شعبة ، عن الحکم ؛ فی الرجل یؤم فی رمضان یقرأ فی المصحف رخص فیه.

حدثنا أبو داود الطیالسی ، عن شعبة ، عن منصور ، عن الحسن ومحمد ، قالا : لا بأس به.

حدثنا أبو داود ، عن رباح بن أبی معروف ، عن عطاء ، قال : لا بأس به.

حدثنا وکیع ، قال : حدثنا الربیع ، عن الحسن ، قال : لا بأس أن یؤم فی المصحف إذا لم یجد ، یعنی من یقرأ ظاهرا.

حدثنا یحیی بن آدم ، قال : حدثنا عیسی بن طهمان ، قال : حدثنی ثابت البنانی ، قال : کان أنس یصلی وغلامه یمسک المصحف خلفه فإذا تعایا فی آیة فتح علیه

(مصنف ابن ابی شیبة، کتاب الصلاة، باب فی الرجل یؤم القوم وهو یقرأ فی المصحف)

نیز''ابنِ ابی شیبہ'' نے کئی ایسی روایات اور ایسے آثار بھی ذکر کیے ہیں، جن میں نماز کے اندر امام کو قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے کے مکروہ ہونے کا ذکر ہے۔

اور ان میں جلیلُ القدر تابعی حضرت ابراہیم نخعی، اور حضرت حسن بصری سے اہلِ کتاب کے ساتھ تشبہ کا بھی ذکر ہے، اور بعض روایات میں صرف کراہت کا ذکر ہے۔ [1]

''عبدالرزاق نے بھی اپنی ''مصنف'' میں اس طرح کی کئی روایت کو نقل کیا ہے۔ [2]

اور محمد بن نصر مروزی (المتوفیٰ: 294ھ) نے''مختصر قیامُ اللیل ''میں فرمایا کہ:

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رمضان میں تراویح کے اندر ایک غلام، امامت

---

[1] حدثنا وكيع ، قال : حدثنا سفيان ، عن عياش العامرى ، عن سليمان بن حنظلة البكرى ، أنه مر على رجل يؤم قوما فى المصحف فضربه برجله.

حدثنا وكيع ، قال : حدثنا سفيان ، عن عطاء ، عن أبى عبد الرحمان ، أنه كره أن يؤم فى المصحف.

حدثنا أبو معاوية ، عن الأعمش ، عن إبراهيم ، أنه كره أن يؤم الرجل فى المصحف كراهة أن يتشبهوا بأهل الكتاب.

حدثنا محمد بن فضيل ، عن مغيرة ، عن إبراهيم ، قال : كانوا يكرهون أن يؤم الرجل وهو يقرأ فى المصحف .

حدثنا المحاربى ، عن ليث ، عن مجاهد ، أنه كان يكره أن يؤم الرجل فى المصحف.

حدثنا وكيع ، قال : حدثنا هشام الدستوائى ، عن قتادة ، عن سعيد بن المسيب ، قال : إذا كان معه من يقرأ ردده ، ولم يؤم فى المصحف.

حدثنا وكيع ، قال : حدثنا هشام الدستوائى ، عن قتادة ، عن الحسن ، أنه كرهه ، وقال : هكذا تفعل النصارى.

حدثنا أبو داود ، عن شعبة ، عن حماد وقتادة فى رجل يؤم القوم فى رمضان فى المصحف فكرهاه.

حدثنا إسرائيل ، عن جابر ، عن عامر ، قال : لا يؤم فى المصحف .

(مصنف ابن ابى شيبة، كتاب الصلاة، باب من كرهه)

[2] عبد الرزاق عن الثورى عن الأعمش عن إبراهيم قال كانوا يكرهون أن يؤمهم وهو يقرأ فى المصحف فيتشبهون بأهل الكتاب.

عبد الرزاق عن الثورى عن منصور عن مجاهد أنه كرهه .

عبد الرزاق عن عبد القدوس بن حبيب أبو سعيد عن الحسن قال سمعته يقول لا بأس أن يؤم الرجل فى شهر رمضان وهو يقرأ فى المصحف.

عبد الرزاق عن بن التيمى عن أبيه أن عائشة كانت تقرأ فى المصحف وهى تصلى.

أخبرنا عبد الرزاق قال أخبرنا معمر عن أيوب قال كان بن سيرين يصلى والمصحف إلى جنبه فإذا تردد نظر فيه (مصنف عبد الرزاق، كتاب الصلاة،باب الإمام يقرأ فى المصحف)

کیا کرتا تھا، جوقرآن مجید کو دیکھ کرقرائت کیا کرتا تھا۔

اور ابنِ شہاب زہری سے سوال کیا گیا کہ رمضان میں قرآن مجید دیکھ کرتراویح پڑھانا جائز ہے؟ توانہوں نے جواب میں فرمایا کہ اسلام کے ابتدائی دور سے ہی لوگوں کا اس کے مطابق عمل ہے، ہمارے پسندیدہ اکابروبزرگوار، نمازِ تراویح میں قرآن مجید کو دیکھ کرقرائت کیا کرتے تھے۔

اور بھی کئی جلیلُ القدر تابعین، مثلاً سعید بن مسیّب اور یحییٰ بن سعید وغیرہ سے اس کا جواز مروی ہے۔ [1]

البتہ بعض حضرات سے اس عمل کی کراہت مروی ہے، اہلِ کتاب کے ساتھ تشبہ کی وجہ سے۔

---

[1] باب الإمام يؤم فى القيام يقرأ فى المصحف.
تقدم أن عائشة رضى الله عنها كان يؤمها غلام لها فى المصحف وكان يقال له ذكوان فى رمضان بالليل .
وسئل ابن شهاب رحمه الله عن الرجل يؤم الناس فى رمضان فى المصحف قال: ما زالوا يفعلون ذلك منذ كان الإسلام , كان خيارنا يقرئون فى المصاحف .
إبراهيم بن سعد عن أبيه أنه كان يأمره , أن يقوم بأهله فى رمضان ويأمره أن يقرأ لهم فى المصحف ويقول: أسمعنى صوتك قتادة.
عن سعيد بن المسيب رحمه الله فى الذى يقوم فى رمضان إن كان معه ما يقرأ به فى ليلة وإلا فليقرأ فى المصحف , فقال الحسن رحمه الله: " ليقرأ بما معه ويردده ولا يقرأ من المصحف كما تفعل اليهود , قال قتادة: وقول سعيد أعجب إلى أيوب رحمه الله , عن محمد أنه كان لا يرى بأسا أن يؤم الرجل القوم فى التطوع يقرأ فى المصحف "وقال عطاء فى الرجل يؤم فى رمضان من المصحف: لا بأس به وقال يحيى بن سعيد الأنصارى: لا أرى بالقرائة من المصحف فى رمضان بأسا يريد القيام ابن وهب رحمه الله: سئل مالك , عن أهل قرية ليس أحد منهم جامعا للقرآن أترى أن يجعلوا مصحفا يقرأ لهم رجل منهم فيه؟ فقال: لا بأس به , فقيل له: فالرجل الذى قد جمع القرآن أترى أن يصلى فى المسجد خلف هذا الذى يقوم بهم فى المصحف أو يصلى فى بيته؟ فقال: لا , ولكن ليصل فى بيته وعن أحمد رحمه الله: " فى رجل يؤم فى رمضان فى المصحف , فرخص فيه فقيل له: يؤم فى الفريضة؟ قال: ويكون هذا "وعنه أيضا وقد سئل هل يؤم فى المصحف فى رمضان؟ قال: ما يعجبنى إلا أن يضطر إلى ذلك , وبه قال إسحاق (مختصر قيام الليل لمحمد بن نصر المروزى، ص ۲۳۳،باب الإمام يؤم فى القيام يقرأ فى المصحف)

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ اس فعل سے نماز فاسد ہو جائے گی۔
لیکن ہمارے علم میں امام ابوحنیفہ رحمہ للہ کے علاوہ کسی اور سے نماز فاسد ہونے کا قول مروی نہیں۔
امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مشہور شاگرد، امام ابو یوسف اور امام محمد بھی نماز کو فاسد قرار نہیں دیتے۔
اور ہمیں نماز فاسد ہونے کی کوئی معقول وجہ معلوم نہیں ہوئی، کیونکہ قرآن مجید کی قرائت تو نماز کا عمل ہے، اور قرآن کو دیکھنا، نماز کے فاسد ہونے کا سبب نہیں۔
بعض یہ کہتے ہیں کہ نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنا، ایسا ہی ہے، جیسا کہ کوئی حساب وکتاب کی کتاب پڑھنا۔
لیکن یہ قیاس درست نہیں، کیونکہ قرائتِ قرآن تو نماز کا عمل ہے، جبکہ حساب وکتاب کا نماز کے عمل سے کوئی تعلق ہی نہیں''۔انتھٰی۔ [1]

---

[1] باب من كره أن يؤم في المصحف الأعمش عن إبراهيم رحمه الله: كانوا يكرهون أن يؤم الرجل في المصحف كراهية أن يتشبهوا بأهل الكتاب ليث عن مجاهد رحمه الله أنه كره أن يؤم الرجل في المصحف ومر سليمان بن حنظلة بقوم يؤمهم رجل في مصحف في رمضان على مشجب فرمى به "وعن الشعبي: أنه كره أن يقرأ الإمام في المصحف وهو يصلي "وقال سفيان رحمه الله: يكره أن يؤم الرجل القوم في رمضان في المصحف أو في غير رمضان , يكره أن يتشبه بأهل الكتاب وعن أبي حنيفة رحمه الله: في الرجل يؤم القوم يقرأ في المصحف أن صلاته فاسدة وخالفه صاحباه فقالا: صلاته تامة , ويكره هذا الصنيع لأنه صنيع أهل الكتاب قال محمد بن نصر ولا نعلم أحدا قبل أبي حنيفة أفسد صلاته , إنما كره ذلك قوم لأنه من فعل أهل الكتاب فكرهوا لأهل الإسلام أن يتشبهوا بهم , فأما إفساد صلاته فليس لذلك وجه نعلمه لأن قرائة القرآن هي من عمل الصلاة ونظره في المصحف كنظره إلى سائر الأشياء التي ينظر إليها في صلاته , ثم لا يفسد صلاته بذلك في قول أبي حنيفة وغيره فشبه ذلك بعض من يحتج لأبي حنيفة بالرجل يعترض في كتب حسابه أو كتبا وردت عليه , فيقرأها في صلاته , وإن لم يلفظ فإن ذلك يفسد صلاته فيما زعم .قال محمد بن نصر رحمه الله: وقرائة القرآن بعيدة الشبه من قرائة كتب الحساب والكتب الواردة لأن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ اور اس جیسے آثار وروایات سے جمہور فقہائے کرام علیہم الرحمہ، اور خاص کر امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے قول کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ ان میں سے بعض روایات وآثار میں تو نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے کا ثبوت ہے، جن سے اس عمل کی بناء پر نماز فاسد نہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔

اور بعض روایات وآثار سے اس عمل کا مکروہ ہونا معلوم ہوتا ہے، نماز کا فاسد ہونا معلوم نہیں ہوتا۔

خاص کر تراویح کی نماز میں آثار وروایات سے اس کا ثبوت ملتا ہے، اور تراویح کی نماز ''تطوع'' میں داخل ہے، اور ''تطوع'' میں شریعت نے زیادہ توسع اور وسعت کی رعایت کی ہے، فی الجلوس، والدابۃ وغیرہما۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قرائة القرآن من عمل الصلاة وليست قرائة كتب الحساب من عمل الصلاة فى شىء , فمن فعل ذلک فهو كرجل عمل فى صلاته عملا ليس من أعمال الصلاة , فما كان من ذلک خفيفا يشبه ما روى عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه فعله فى صلاته مما ليس هو من أعمال الصلاة أو كان يقارب ذلک جازت الصلاة وما جاوز ذلک فسدت صلاته(مختصر قيام الليل لمحمد بن نصر المروزى، ص ۲۳۴،باب من كره أن يؤم فى المصحف)

[1] وكانت عائشة :يؤمها عبدها ذكوان من المصحف(صحيح البخارى،باب إمامة العبد والمولى)

يوسف عن أبيه قال :وبلغنى عن ابن عباس رضى الله عنهما أنه قال فى الرجل يؤم القوم وهو ينظر فى المصحف إنه يكره ذلک ، وقال :كفعل أهل الكتاب(الآثار،لابى يوسف،رقم الحديث ۱۷۱)

حدثنا عبد الله حدثنا يحيى بن محمد بن السكن ، حدثنا عثمان بن عمر ، أخبرنا يونس ، عن الزهرى ، عن القاسم أن عائشة كانت تقرأ فى المصحف فتصلى فى رمضان أو غيره (المصاحف لابن أبى داود،رقم الحديث۷۵۷)

حدثنا عبد الله حدثنا عبد الله بن سعيد ، حدثنا المحاربى ، عن ليث ، عن مجاهد ، أنه كره أن يؤم الرجل فى المصحف(المصاحف لابن أبى داود،رقم الحديث ۷۵۹)

حدثنا عبد الله حدثنا عبد الله بن سعيد ، حدثنا أبو خالد ، عن الأعمش ، عن إبراهيم قال : كانوا يكرهون أن يؤموا ، فى المصحف (لئلا) يتشبهوا بأهل الكتاب (المصاحف لابن أبى داود،رقم الحديث۷۶۳)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور جواز وکراہت کا مجموعہ ''کراہتِ تنزیہی'' پر بھی دلالت کرتا ہے۔

اور فقہائے کرام کی تصریح کے مطابق ''تشبہ'' کا قصد وارادہ نہ ہونے سے وہ کراہت بھی دور ہوجاتی ہے۔

جہاں تک نماز میں قرآن مجید، دیکھ کر پڑھنے کی صورت میں ''عملِ کثیر'' لازم آنے کا تعلق

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حدثنا عبد الله حدثنا أسيد بن عاصم ، وحدثنا سعيد بن عامر ، عن شعبة ، عن مغيرة ، عن إبراهيم ، أنه كان يكره الإمامة فى المصحف ويقول :يتشبهوا بأهل الكتاب (المصاحف لابن أبى داود،رقم الحديث٦٦٧)

حدثنا عبد الله حدثنا على بن أبى الخصيب قال :أخبرنا وكيع ، عن سفيان ، عن عطاء بن السائب ، عن أبى عبد الرحمن السلمى ، أنه كره أن يؤم فى المصحف (المصاحف لابن أبى داود،رقم الحديث ٦٧٠)

حدثنا عبد الله حدثنا هارون بن سليمان ، حدثنا أبو عامر ، حدثنا رباح ، عن عطاء ، أنه كان لا يرى بأسا أن يقرأ فى المصحف فى الصلاة(المصاحف لابن أبى داود،رقم الحديث ٦٨٤)

حدثنا عبد الله حدثنا أحمد بن سعيد الهمدانى ، حدثنا عبد الله بن وهب ، حدثنا معاوية بن صالح ، عن يحيى بن سعيد الأنصارى قال : لا أرى بالقراءة من المصحف فى رمضان بأسا ، يريد القرآن (المصاحف لابن أبى داود،رقم الحديث ٦٨٥)

حدثنا عبد الله حدثنا إبراهيم بن مروان بن محمد الطاطرى ، حدثنا أبى ، حدثنا عبد العزيز بن محمد قال :حدثنى محمد بن عبد الله ابن أخى ابن شهاب قال :سألت ابن شهاب عن القراءة فى المصحف يؤم الناس ، فقال : لم يزل الناس منذ كان الإسلام يفعلون ذلك (المصاحف لابن أبى داود،رقم الحديث ٦٨٦)

حدثنا عبد الله حدثنا أبو الطاهر قال :أخبرنا ابن وهب قال :حدثنى عبد العزيز بن محمد ، عن محمد بن عبد الله ابن أخى ابن شهاب ، عن عمه :عن رجل يصلى لنفسه أو يؤم قوما ، هل يقرأ فى المصحف ؟ فقال : نعم ، لم يزل الناس يفعلون ذلك منذ كان الإسلام (المصاحف لابن أبى داود،رقم الحديث ٦٨٧)

حدثنا عبد الله حدثنا أبو الربيع قال :أنبأنا ابن وهب قال :سمعت مالكا ، وسئل عمن يؤم الناس فى رمضان فى المصحف ؟ فقال : لا بأس بذلك إذا اضطروا إلى ذلك قال :وكان العلماء يقومون لبعض الناس فى رمضان فى البيوت (المصاحف لابن أبى داود،رقم الحديث ٦٨٨)

حدثنا عبد الله حدثنا على بن محمد بن أبى الخصيب قال :أخبرنا وكيع ، عن جرير بن حازم قال : رأيت ابن سيرين يصلى متربعا والمصحف إلى جنبه ، فإذا تعايا فى شىء أخذه فنظر فيه (المصاحف لابن أبى داود،رقم الحديث ٦٨٩)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہے، تو ضروری نہیں کہ ہر کوئی اس فعل کو ''عملِ کثیر'' لازم آنے ہی کی صورت میں انجام دے، بلکہ عین ممکن ہے کہ ممکنہ حد تک اپنے آپ کو ''عملِ کثیر'' سے بچانے کا اہتمام کرے، یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام وتابعینِ عظام جن سے نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا اور سُننا منقول ہے، وہ بھی اپنے ہاتھ وغیرہ میں اُٹھا کر ہی قرآن مجید کو دیکھتے اور اس کے اوراق کو پلٹا کرتے ہوں گے، جبکہ اس زمانے میں لمبی لمبی تلاوت کا معمول تھا، اور موجودہ زمانے کی طرح قرآن مجید دیکھنے اور پڑھنے کی مختلف ومتنوع شکلیں اور سہولیات بھی نہیں تھیں۔

اب یا تو یہ کہا جائے کہ وہ نماز میں قرآن مجید اُٹھانے اور رکھنے اور بقدرِ ضرورت ورق گردانی کرنے کو عملِ کثیر، شمار نہیں کیا کرتے تھے، یا پھر وہ قرآن مجید صحیح پڑھنے کے لئے اس عمل کو نماز کی اصلاح وضرورت میں داخل قرار دے کر مفسِد نہیں سمجھتے تھے، بلکہ نماز کے لئے ایک طرح سے مُعین سمجھتے تھے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

حدثنا عبد الله حدثنا محمد بن بشار قال :أخبرنا روح ، حدثنا هشام ، عن محمد ، أنه كان يصلى قاعدا والمصحف إلى جنبه ، فإذا شك فى شىء نظر فيه وهو فى الصلاة (المصاحف لابن أبى داود،رقم الحديث ٦٩٠)

حدثنا عبد الله حدثنا محمد بن بشار ، حدثنا ابن أبى عدى ، عن هشام قال : كان محمد ينشر المصحف فيضعه إلى جانبه ، فإذا شك نظر فيه ، وهو فى صلاة التطوع (المصاحف لابن أبى داود،رقم الحديث ٦٩١)

حدثنا عبد الله حدثنا يعقوب بن إسحاق القلوسى ، حدثنا المعلى بن أسد ، حدثنا ابن الأغلب قال : أخبرنا يونس قال : دخل على ابن سيرين وهو يصلى قاعدا يقرأ فى مصحف وفى يده مروحة يتروح بها(المصاحف لابن أبى داود،رقم الحديث ٦٩٢)

وروى ابن أبى داود فى (كتاب المصاحف) من طريق أيوب عن ابن أبى مليكة :أن عائشة كان يؤمها غلامها ذكوان فى المصحف .وذكوان :بالذال المعجمة، وكنيته أبو عمرو، مات فى أيام الحرة أو قتل بها .قوله :(وهو يومئذ غلام) ، الغلام هو الذى لم يحتلم، ولكن الظاهر أن المراد منه المراهق، وهو كالبالغ .قوله :(من المصحف) ، ظاهره يدل على جواز القراء ة من المصحف فى الصلاة، وبه قال ابن سيرين والحسن والحكم وعطاء ، وكان أنس يصلى وغلام خلفه يمسك له المصحف، وإذا تعايا فى آية فتح له المصحف(عمدة القارى شرح صحيح البخارى، ج٥،ص ٢٢٥،باب إمامة العبد والمولى)

پھر ’’عملِ کثیر‘‘ کے متعلق مختلف اقوال پہلے ذکر کیے جا چکے ہیں، اور یہ بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ جو فعل، نماز کی اصلاح و درستگی کے لیے اختیار کیا جائے، اس میں خود حنفیہ نے زیادہ توسع کو اختیار کیا ہے، اور بطورِ خاص تراویح میں پورا قرآن مجید پڑھنا، یا سننا، چونکہ سنت ہے، اس لیے اس نماز میں پورے قرآن مجید کو درست اور صحیح پڑھنے کی کوشش و جستجو کرنا بھی اس نماز کی اصلاح و درستگی میں داخل ہے۔

اس مسئلہ میں بہت سے حنفیہ کا رجحان امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر ہے، جس کے پیشِ نظر، نماز میں امام، یا مقتدی کو، یا تنہا نماز پڑھنے والے کو قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا جائز نہیں، اور اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، حنفیہ میں سے اہلِ علم و اہلِ افتاء کے بڑے طبقے کے فتاویٰ بھی اسی کے مطابق ہیں، اور ہمارے یہاں اسی بات کو بہت سے عوام میں شہرت بھی حاصل ہے۔

لیکن چونکہ دیگر فقہائے کرام اور خود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد، امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک محض قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، خواہ امام دیکھ کر پڑھے، یا مقتدی دیکھ کر سنے، یا تنہا نماز پڑھنے والا دیکھ کر پڑھے۔

البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد، امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک یہ فعل مکروہ ہوتا ہے، لیکن وہ بھی اس صورت میں مکروہ ہوتا ہے، جب کہ اہلِ کتاب کے ساتھ تشبہ کا قصد وارادہ ہو، اور اگر اہلِ کتاب کے ساتھ تشبہ ومشابہت کا قصد وارادہ نہ ہو، تو پھر مکروہ بھی نہیں ہوتا، اور جس طرح نماز میں قرآن پڑھنا عبادت ہے، اسی طرح قرآن مجید کو دیکھنا بھی عبادت ہے، اس لیے یہ فعل بذاتِ خود مذموم نہیں، بلکہ ایک حیثیت سے دو عبادتوں کا مجموعہ ہے۔

اور ہمیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد، امام ابویوسف اور امام محمد کا قول زیادہ معقول اور راجح معلوم ہوتا ہے، جس کی بناء پر اگر کوئی بوقتِ ضرورت اس پر عمل کرے، مثلاً تراویح میں کوئی پختہ حافظِ قرآن، یا سرے سے حافظِ قرآن سامع میسر نہ ہو، تو ایسی صورت میں اس کی اقتداء

کرنے والے مقتدی کو، قرآن مجید دیکھ کر سماعت کرنا، یا کسی مجبوری وشبہ کی صورت میں خود امام کا قرآن مجید کو دیکھ لینا، اور اس کو دیکھ کر پڑھ لینا، جائز ہوگا، اور اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی، لیکن اپنی طرف سے اس چیز کا بہرحال حتی الامکان اہتمام کرنا چاہئے کہ قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے، یا سننے کے لیے ہاتھوں کی کم از کم نقل وحرکت کرنی پڑے۔

اور پہلے جو عملِ کثیر کے متعلق مختلف اقوال ذکر کیے گئے، اگر ان میں سے کسی قول کے مطابق عملِ کثیر لازم نہ آ رہا ہو، بطورِ خاص جبکہ وہ عمل کرنے والا، اپنے اس عمل کو ''عملِ کثیر'' نہ سمجھ رہا ہو، یا قرآن مجید ایک ہاتھ میں لے رکھا ہو، اور ورق گردانی کے لئے پے در پے کے بجائے تھوڑے وقفہ کے بعد حرکت کر رہا ہو، تو دلائل کے پیشِ نظر فیما بیننا وبین اللہ، ہم اپنا رجحان اس طرف کرنے پر مجبور ہوئے کہ بوقتِ ضرورت اس پر عمل کر لینے سے نماز فاسد نہیں ہوگی، بلکہ ایسی صورت میں امید ہے کہ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کی ایک توجیہ کے مطابق بھی نماز کے لیے مفسد نہ ہوگا، اور اس طرح سے تقریباً جملہ فقہائے کرام کے اقوال کے قریب تر ہو جائے گا، بالخصوص جبکہ وہ حافظِ قرآن ہو، اور پورا قرآن دیکھ کر نہ پڑھے، بلکہ بوقتِ ضرورت تھوڑا بہت کسی جگہ دیکھ لے، جبکہ سننے والے مقتدی کے دیکھ کر سننے کا مسئلہ اور بھی ہلکا ہے، کیونکہ وہ صرف قرآن مجید پر نظر رکھتا ہے، پڑھتا نہیں ہے، البتہ بعض مقامات سے دیکھ کر تھوڑی سی آیت کا تلفظ کر کے لقمہ دیتا ہے۔

اور آج کل ہمارے یہاں جس طرح سے تراویح میں ہر کس وناکس سے قرآن مجید سننے کا رواج ہے، اس میں اکثر وبیشتر ایسی اغلاط رہ جاتی ہیں، جو بعض اوقات اشتباہ وغیرہ کی وجہ سے سامع اور مقتدی کی نظروں سے بھی مخفی رہ جاتی ہیں، اور اس طرح تراویح میں پورے قرآن مجید کو پڑھ یا سن کر سنت کی ادائیگی میں کمزوری رہ جاتی ہے۔

اور بعض اوقات کسی آیت میں امام اور سامع، دونوں ہی صحیح اور غلط پڑھنے کے مسئلے میں تذبذب کا شکار ہو جاتے ہیں، جبکہ بعض مقامات پر صحیح اور غلط پڑھنے کی تعیین کے سلسلے میں

اختلاف وانتشار بھی سامنے آتا ہے۔

مذکورہ طریقے کو اختیار کرنے سے اس قسم کی چیزوں سے بھی حفاظت ممکن ہو سکے گی۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ مذکورہ تفصیل ہمارے اپنے رجحان کے مطابق ہے۔

اور ہم اپنے دیگر مضامین میں باحوالہ اور مفصلاً یہ بات ذکر کر چکے ہیں کہ فقہائے کرام میں سے کسی کا قول فی نفسہٖ منکر نہیں ہوتا، اور اس پر عمل کرنے والا بھی قابلِ نکیر نہیں ہوتا۔

البتہ جس کا رجحان دوسرے قول کی طرف ہو، وہ اسی قول کو اختیار کرنے کا مکلّف ہے۔

اور ان دونوں باتوں میں درحقیقت کوئی ٹکراؤ نہیں۔

یہ بات اس لیے ذکر کردی گئی کہ ہم نے جس قول کی طرف اپنا رجحان ظاہر کیا، وہ قول چونکہ ہمارے یہاں معروف نہیں، جس کی وجہ سے اس کو قابلِ نکیر نظر سے دیکھا جاتا ہے، اس لیے اس کو محض اجنبی ہونے کی نظر سے دیکھنے کے بجائے، فقہائے کرام کے اقوال اور ان کے دلائل کے تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔

بعض اوقات فقہائے کرام کے اقوال اور ان کے دلائل پر نظر نہ ہونے سے کئی قسم کی خرابیاں لازم آجایا کرتی ہیں، ان سے اپنے آپ کو بچانے کی ضرورت ہے۔

اس کے باوجود بھی کوئی نکیر کرتا رہے، تو وہ جانے، اس کا کام جانے، البتہ علمی وتحقیقی اعتبار سے کلام کے لیے، ہر صاحبُ الرائے وصاحبُ النظر کے لیے راستے کھلے ہیں، جس میں ان شاءاللہ تعالیٰ ہم بھی حصہ دار بننے کے لئے تیار ہیں۔

فقط

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ .

محمد رضوان خان

30 / شعبان المعظم/ 1441ھ 24 / اپریل/ 2020 بروز جمعہ

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

❖ دارالمؤلفین ٹیلگرام چینل ❖

دارالمؤلفین - اردو، فارسی، عربی اور انگریزی - کتب کا ایک بڑا اور نہایت کارآمد ٹیلیگرام چینل ہے۔ جس میں آپ کو سات ہزار سے زائد کتابوں کا عظیم ترین ذخیرہ، ہر موضوع پر الگ الگ فہرستیں، نیز مشہور مصنفین کی الگ الگ فہرستیں آپ کو ملیں گی۔ جیسے:

(1) عقائد و علم کلام	(2) تفسیر	(3) علوم القرآن	(4) احادیث
(5) علوم الحدیث	(6) شروحات حدیث	(7) فقہ	(8) اصول فقہ
(9) احکام و مسائل	(10) بلاغت	(11) منطق و فلسفہ	(12) نحو و صرف
(13) ادب؛ عربی، فارسی، اردو	(14) سیرت رسول اکرم ﷺ	(15) سیرتِ صحابہ	(16) سیرتِ اکابر
(17) تازہ ترین رسائل و جرائد	(18) درس نظامی (مکمل)	(19) درود و دعائیں	(20) رد فرق باطلہ

☆ Join & Share ☆

https://telegram.me/darulmuallifeen

❖ فہرست کتب ٹیلگرام چینل ❖

دارالمؤلفین ٹیلگرام چینل میں اپلوڈ کی گئی؛ ایک سے زائد جلدوں والی کتب کی فہرست، مشہور شخصیات کی کتب کی فہرست اور درس نظامی کی (درجہ تادورۂ حدیث وتکمیلات) کتب کی فہرست نیز فن اور موضوع کے اعتبار سے الگ الگ فہرست تیار کی گئی ہیں۔

☆ Join & Share ☆

http://telegram.me/darulmuallifeenfehrist

❖ رہنمائے خطباء ٹیلگرام چینل ❖

خطباءِ عظام کے لیے حالات حاضرہ کے مطابق خطبات و بیانات، مقالات مضامین اور ماہنامے سے مختلف عنوانات پر قیمتی مواد ڈاؤن لوڈ لنکس سمیت فہرست یا پی، ڈی، ایف کی شکل میں ارسال کی جاتی ہے۔

☆ Join & Share ☆

https://telegram.me/rahnuma_e_khutaba